ماہنامہ

المشرق

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

اپریل ۷۳

۱۳۵۲/۶

غلام مصطفیٰ صاحب

جلد ۳ / شمارہ ۶ — جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ اپریل ۱۹۸۲ء

★ سرپرست اعلیٰ:۔
حضرت العلام مولانا
اللہ یار خان صاحب مدظلہ

★ مدیر مسئول:۔
پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحب
ایم اے علوم اسلامیات

★ مجلس ادارت اعزازی:۔
• پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی اے (آنرز) ایم اے
• مولانا محمد اکرم صاحب منارہ جہلم
• پروفیسر باغ حسین کمال ایم اے

★ بدل اشتراک

زر سالانہ	۳۵	روپے
ششماہی	۱۸	//
فی کاپی	۳	//

★ سول ایجنٹ
مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

مندرجات

★ اداریہ	ادارہ
★ اسرار التنزیل	مولانا محمد اکرم صاحب
★ سیرۃ الصحابہؓ	حضرت استاد المکرم سرپرست اعلیٰ
★ اپنے گھروں کو بچائیے	محمد تقی عثمانی
★ قیامت سے پہلے قیامت	حبیب الرحمان ایس پی (ریٹائرڈ)
★ شیخ احمد سرہندیؒ	صاحبزادہ قاری کفایت احمد رتوی
★ تعلیمات مجددیہ	ام امیمہ ایم۔اے
★ حضرت جویریہؓ	پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے

★

دینی۔ اصلاحی اور علمی سلسلوں کا واحد مجلہ

ماہنامہ
المرشد
چکوال (جہلم)

حافظ عبدالرزاق پرنٹر پبلشر نے منہاج الدین پرنٹر اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال ضلع جہلم سے شائع کیا۔

اداریہ

قومی اور ملکی معاملات میں "شماریات" کی ضرورت اور اہمیت سے کوئی پڑھا لکھا انسان ناآشنا نہیں۔ قومی زندگی کے ہر شعبے میں شماریات سے مدد لے کر وقتی اور طویل المدت منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ کہیں زرعی پیداوار کے اعداد شمار جمع کیئے جاتے ہیں اور ملکی آبادی سے مقابلہ کیا جاتا ہے جب اس مقابلہ کے نتیجے میں پیداوار کی کمی محسوس ہوتی ہے تو پیداوار بڑھانے کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ مشینی آلات زراعت کو تیار کرنے یا درآمد کرنے کی کوشش شروع ہو جاتی ہے اس سارے تعمیری کام کی بنیاد صرف "شماریات" نے رکھی۔

اسی طرح زندگی کے ہر شعبے میں شماریات سے کام لے کر حکومتی سطح پر تعمیری منصوبے تیار ہوتے ہیں۔ اس مضمون کی افادیت کے پیش نظر یونیورسٹی کی سطح پر اس مضمون کی تدریس کا اہتمام کیا گیا ہے جو بجا طور پر اس کا مستحق ہے۔

ہمارے اجتماعی اور قومی زندگی کا ایک پہلو ایسا ہے جس میں اس مفید علم سے کوئی کام نہیں لیا گیا۔ حسن اتفاق کہیے یا کچھ اور ایک موقع پر کسی منصوبے کے بغیر وقتی طور پر اس مد میں بھی شماریات سے کام لیا گیا۔ مگر نتائج اُمید افزا نہیں البتہ عبرت انگیز ضرور ہیں۔

ملکی سطح پر ایک نہایت ضروری اور مفید تنظیم کی ایک مقامی شاخ کی ایک تقریب میں طے ہوا کہ "ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ" کے موضوع پر مقالہ تیار کیا جائے۔ ایک علمی شخصیت نے یہ فریضہ انجام دیا بیان کچھ ایسا موثر تھا۔ کہ اس مقامی شاخ کے افسر اعلیٰ بے ساختہ کہنے لگے اس بیان کی روشنی میں ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیئے۔ مزید فرمایا کہ جب میں اپنا جائزہ لیتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ دین کے متعلق میرا علم صرف اتنا ہے کہ پہلا کلمہ پورا یاد ہے اور دوسرا کلمہ آدھا یاد ہے اور بس۔

پھر اپنے علم شماریات سے کام لینا شروع کیا۔
(۱) سب سے پہلے فرمایا جن لوگوں کو چھ کلمے یاد ہیں کھڑے ہو جائیں۔ چھ سو کی نفری میں سے تین آدمی کھڑے ہوئے۔
(۲) پھر فرمایا جن لوگوں کو پوری نماز یاد ہے کھڑے ہو جائیں چھ سو میں سے بیس آدمی کھڑے ہوئے۔
(۳) پھر فرمایا جن لوگوں کو آدھی نماز آتی ہے کھڑے ہو جائیں۔ تیس آدمی کھڑے ہوئے۔
لیجئے اعداد و شمار حاضر ہیں چھ سو میں سے ۲۰ آدمیوں کو نماز آتی ہے ان میں سے نماز پڑھتے کتنے ہیں۔ یہ نہیں پوچھا گیا۔
یہ ہے قوم کی دینی حالت۔ یہ امر ذہن میں رہے کہ یہ سب حضرات تقسیم ملک کے بعد کی پیداوار ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہماری موجودہ نسل کا ذہنی اور عملی رُخ کس طرف ہے اور اس کی منزل کونسی ہے۔
دوسری بات جو اس سے بھی عجیب تر ہے وہ یہ کہ دو تنخواہ دار مولوی صاحبان ان کی دینی رہنمائی اور تربیت کے لئے موجود ہیں۔ مگر اوپر سے ان کے سامنے کوئی پراجیکٹ نہیں رکھا گیا۔ اور اندر سے کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوا۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

"مدیر"

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب

اسرار التنزیل

اَلَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ ۔۔۔۔ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ

اللہ جل شانہٗ کی مخلوق بنی نوع انسان دو طرح کے افراد میں منقسم ہے۔ اس دنیا میں انسان کی ضروریات اُس کی حاجات اُس کی خواہشات ان کی تکمیل کے ذرائع اور اُن کے حصول کی جدوجہد اس کوشش میں اس مقصد میں ہر ایک آدمی لگا ہوا ہے امیر ہو، غریب ہو، شہنشاہ ہو ملازم ہو۔ ہر آدمی اسی مقصد میں جُتا ہُوا ہے اور اس مقصد میں افراد کو محض دو میں تقسیم کیا جا سکتا ہے دو طرح کے لوگ ہیں۔ کام دونوں کا ایک ہی سا ہے۔ لباس کا پہننا کھانا کھانا ۔ مکان کا بنانا گھر بار ٹھکانے کا ہونا کام دونوں کا ایک طرح ہی کا ہے صرف اُس کام کو کرنے کے لئے جو رہنمائی لی جاتی ہے اس میں اُن کے دو فریق بن گئے ایک فریق وہ ہے جو اس کائنات کو اللہ کریم کا مال سمجھتا ہے۔ خداوند عالم کی حکومت جانتا ہے اس دنیا میں تمام چیزوں کو اس کی طرف سے سمجھتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ ان چیزوں کو اس طرح سے حاصل کرو کہ جو قاعدہ اس دنیا کو بنانے والے نے مقرر فرما دیا ہے یہ ایک طریقے ہے فریق ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو رہتے تو اللہ جل شانہٗ کی حکومت میں ہیں۔ نعمتیں تو اسی کی کھاتے ہیں۔ اس کے فضل و کرم سے اُن کے وجود بھی قائم تو ہیں۔ لیکن اپنی خواہشات کی تکمیل کے ذرائع یا خود تجویز کرتے ہیں یا اللہ کے سوا کسی دوسرے کی تجویز کردہ راہوں پر چلتے ہیں۔ اب یہ جو دوسرا فریق ہے۔ بات ان کی ہو رہی ہے اَلَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ ۔۔۔ اِلٰھًا اٰخَرَ ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو منصب ذات باری تعالےٰ کو سزاوار تھا وہ انہوں نے کسی اور کے لیئے تجویز کر دیا یہ ہے دوسرا الٰہ بنانا۔ دیکھیئے کچھ لوگ چاند کی پرستش میں لگ گئے، سورج کی پوجا کرنے لگ گئے کوئی جانوروں کی پوجا کرنے لگے کوئی درختوں کی پوجا کرنے لگے۔ کسی نے پتھر کے بُت بنائے وہ ظاہر ہے، سامنے ہے ہر آدمی سمجھ رہا ہے کہ یہ غلطی کر رہا ہے۔ ان تمام بتوں سے سب سے بڑا اور سب سے کریہ المنظر اور سب سے خطرناک بُت ایک اور ہے اور چشم ظاہر بین کو نظر نہیں آتا اور وہ ہے انسان کے اپنے اندر کی نفس کی خواہشات۔ یہ جو معبودان باطلہ ظاہری ہیں۔ سامنے موجود ہیں۔ نظر آتے ہیں ان کی تردید تو بالکل واضح ہے۔ انسان سمجھ سکتا ہے۔ یہ پتھر خود بے جان،

بے حس ہے۔ برابر ہے سارے تم مسجد کے مینار پر لگا دو یا اسے ٹماٹم میں لگا دو۔ وہ تو فریاد کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ وہ وہاں بھی نوکری دے گا، ڈیوٹی ادا کرے گا تم اس کا کچھ بنا کر سامنے رکھ کر سجدے کرنے لگ جاؤ یا دروازے کی دہلیز بنا کر اسے پاؤں سے پامال کرنے لگ جاؤ۔ سلطان محمود غزنوی ؒ سے جب سومنات فتح ہوا تھا تو پنڈتوں پروہتوں اور برہمنوں نے مطالبہ کیا تھا کہ قبضہ تو مندر پر آپ کا ہو گیا ایک طرح سے اب ایک درخواست ہماری قبول فرما لیں۔ جس قدر دولت سونا، چاندی، جواہرات آپ چاہیں ہم آپ کو دے سکتے ہیں۔ لیکن اس ہمارے بڑے بت سے درگزر فرمائیں۔ ایسے بے وقوف بھی دنیا میں بستے ہیں وہ اپنے خداؤں کے خود محافظ بنے ہوئے ہیں۔ کتنی عجیب منطق ہے، کیسی عجیب بات ہے۔ جو خود تمہاری حفاظت کا محتاج ہے اسے خدا سمجھ رکھا ہے۔ تو سلطان محمود ؒ نے جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کا مجاہد ہوں۔ میں اللہ کا سپاہی ہوں۔ مورخ لکھیں گے میری زندگی کے حالات تو میں اپنے آپ کو بت فروش نہیں لکھوانا چاہتا میں اپنے نام کے ساتھ بت شکن لکھا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں جب انہوں نے یہ فرمایا تو وہ کہنے لگے۔ پھر دوسری طرف پلٹ گئے کہنے لگے دنیا میں ایسا انسان کوئی نہیں جو اس بت کو توڑ سکے اگر کسی نے گستاخی کی جرأت کی تو وہ تباہ ہو جائے گا سلطان معظم کو غصہ آیا۔ بجائے کسی کو حکم دینے کے سپاہی کے ہاتھ سے گرز چھینا اور دونوں ہاتھوں کی ضرب لگا کر اس بت کو پاش پاش کر دیا۔ اور اللہ کی شان جب وہ بت ٹوٹا تو منوں کے حساب سے اس میں سے سونا، چاندی اور جواہرات نکلے۔ تو ان کے اس دوسرے فقرے سے سلطان اس قدر متاثر تھا کہ اس بت کے ٹکڑے اٹھوا کر غزنی میں لے گئے آدھے ٹکڑے مسجد کے دروازے کی دہلیز بنا دیئے کہ جو نماز کے لئے آئے اسے پامال کر کے گزرے اور آدھے اپنے دربار کے راستے میں گڑوا دیئے کہ جو فریادی میری بارگاہ میں آئے اسے پامال کرتا جائے۔ تو ان کی تردید تو ہو سکتی ہے پنڈتوں کے اس وہم کا جواب سلطان محمود نے کتنے شاندار طریقے سے دے دیا۔ اور کس طرح پوری دنیا کے لئے ایک مثال قائم کر دی کہ یہ بے جان پتھر تیرے لئے معبود نہیں ہیں یہ تو تیری خدمت کے لئے ہے (خلق لکم ما فی الارض جمیعًا) اس زمین پر سب کچھ ساری زیب و زینت تیری خدمت کے لئے ہے، تیری ضرورت کے لئے ہے اسی طرح سے سورج، چاند، ستارے یہ خود مخلوق ہے اور ان کی تردید واضح دلیل سے اور آسان دلائل سے کی جا سکتی ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک ضعیف آدمی تھا اس کے بیٹے بھتیجے تھے انہوں نے دین قبول کر لیا تو وہ ابھی تک اسی اپنی پرانی روایت پر جما ہوا تھا۔ علیحدہ کمرہ بنایا ہوا تھا اس نے اس میں ایک بت رکھا ہوا تھا۔ اس کی عبادت کیا کرتا تھا۔ تو انہوں نے سوچا اس کو کس طرح سمجھائیں یہ بزرگ آدمی ہے کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہیے کہ یہ اس کی عبادت سے باز آ جائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کو حاصل کرے۔ تو انہوں نے ایک رات ایسا کیا کہ غلاظت لے کر رات کو جب بابا سو گیا تو اس بت پر لیپ دی

علی الصباح جب وہ عبادت کے لیئے گیا تو دیکھا کہ وہ گندگی میں لتھڑا ہوا تھا۔ اُسے بڑا افسوس ہوا اور کہنے لگا کہ کسی نے اس کی بڑی بے حُرمتی کی ہے۔ خوب دھویا صاف کیا اور جب شام ہوئی تو اس کے ساتھ ایک تلوار لٹکا گیا۔ آج تو میں نے دھو دیا ہے۔ کچھ تُو خود بھی اپنی حفاظت کرنا۔ اُسے یہ وہم تھا کہ یہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔ انہوں نے سوچا کہ کچھ تو کام چل پڑا ہے اس طرف تو اس کا ذہن لگ گیا ہے کہ کچھ تو یہ خود بھی کرے دوسرے دن انہوں نے زیادہ غلاظت اس پر لگا دی تو جب وہ صبح آیا تو دیکھا کہ وہ تلوار بھی غلاظت میں لتھڑی ہوئی ہے تو کہنے لگا کہ تُو عجیب خدا ہے کسی کو تُو اس کام سے بھی نہیں روک سکتا۔ میری تلوار بھی برباد کرا دی۔ بہر حال کئی ساتوں کا اس میں جو وہم راسخ ہو چکا تھا پھر اُسے نہلایا دھلایا صابن سے صاف کیا عطر وغیرہ لگایا اور کہنے لگا کہ آج سُن لے اگر آج بھی تو اپنی حفاظت نہ کر سکا تو میں تجھے خدا نہیں مانوں گا۔ انہوں نے سوچا یہ تو معاملہ لمبا ہوتا جا رہا ہے۔ آج کوئی نیا طریقہ کریں وہ رات کو اسے جڑ سے اُکھاڑ کر ہی لے گئے کوئی مرا ہوا کتّا بازار میں پڑا تھا اس بُت کو ٹانگوں سے رسی ڈال اور مدینے منورہ میں بنے ہوئے گہرے گڑھے میں جن میں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا اس گڑھے میں لٹکا دیا اب جب صبح وہ بزرگ اُٹھے تو دیکھا کہ معبد ہی خالی ہے کمرے میں کوئی نہیں۔ وہ بڑا پریشان ہوا سمجھا میرا بُت مجھ سے ناراض ہو کر کہیں چلا گیا ہے میں نے رات کو اس سے گستاخی کی تھی اس کی بے عزتی کی تھی میری باتوں سے وہ غصہ ہو گیا۔ کہیں چلا گیا پریشان ہو کر باہر نکلا تو لڑکیاں آ رہی تھیں کوڑا کرکٹ پھینکنے والی تو انہوں نے کہا۔ بابا جان آج بڑے پریشان ہو۔ وہ کہنے لگا مجھ سے میرا خدا روٹھ گیا وہ کمرے سے ہی کہیں چلا گیا۔ وہ کہنے لگیں کہ ہم نے دیکھا ہے! کہاں دیکھا ہے جہاں ہم نے کوڑا کرکٹ پھینکا ہے وہاں وہ بھی پڑا تھا۔ بیچارا بھاگتا ہوا گیا تو دیکھا کہ ایک مردہ کتّا ساتھ بندھا ہوا ہے وہ بھی لٹک رہا ہے۔ اس نے عربی میں شعر کہا جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر تجھ میں خدا بھی کوئی قوت ہوتی تو اس ذلت کو گوارا نہ کرتا۔ خواہ مخواہ میں نے اپنی عمر ضائع کر دی وہاں سے سیدھا مسجد نبوی میں چلا آیا۔ مکہ مکرمہ میں ایک آدمی مسلمان ہوا تھا تو اس نے اپنی جیب میں ایک چھوٹا سا بُت بنا کر رکھا ہوا تھا ہر وقت وہ جدھر جاتا تھا پاس ہوتا تھا۔ تو ایک روز اُسے پیشاب کی حاجت ہوئی تو وہ بت بھی جیب میں رکھا ہوا تھا اور گھر کا کتّا بھی پیچھے پیچھے آ رہا تھا تو اس نے سوچا اسے آرام سے رکھ دوں اور اس سے دور جا کر میں اپنی رفع حاجت کروں تاکہ بے ادبی نہ ہو گستاخی نہ ہو جائے اس نے اس کو ایک پتھر پر رکھا اور خود رفع حاجت کے لئے چلا گیا کتّے نے سمجھا کہ پتہ نہیں اس نے پتھر پر کیا رکھا ہے وہ اُسے سونگھنے لگ گیا جیسا کہ کتوں کی عادت ہوتی ہے وہ تو اپنے خیال میں لگ گیا اور کتّا اس کے گرد پھرا کچھ نہیں تھا کھانے کو اس نے ٹانگ اٹھائی اور اس بُت پر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ وہ رفع حاجت سے فارغ ہو کر ادھر متوجہ ہوا تو اس وقت کتا اس پر پیشاب کر چکا تھا وہاں کھڑے ہو کر کہنے لگا۔ ہم محض ضد کے مارے مجھے ہیں۔ جو محمد رسول اللہ فرماتا ہے وہ حق فرماتا ہے۔ کچھ جس اس میں ہوتی تو کتّے کو تو اپنے سے منع کرتا تو یہ ظاہری

بُت جو ہے ، انکار تو سو طرح سے ہو سکتا ہے ۔ بفضلہٖ تعالےٰ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ضرب لگائی ہے ان بتوں پر کہ کلمہ پڑھنے تو کجا کافر بھی تو اب انہیں بے دل سے پوجتے ہیں کافروں کی بھی عبادت میں اب وہ لطف نہیں رہا وہ بھی بے دلی سے اور رواجاً اور رسماً پوجا کرتے ہیں ایک بت لا الٰہ نے ہے بڑا معبود ہے جو انسان کو جھکا کر رکھ دیتا ہے جس کے سامنے آدمی وہ قربانی دیتا ہے جو کسی بت کے سامنے نہیں دے سکتا ۔ نہ سردی دیکھتا ہے نہ گرمی دیکھتا ہے راتوں کو جاگتا ہے ۔ گولیاں پار کرتا ہے بھاگتا ہے دوڑتا ہے دنیا کے طعنے سہتا ہے ، ذلت برداشت کرتا ہے لیکن اس کی ناراضگی مول نہیں لینا چاہتا بھلا وہ بت کونسا ہے وہ ہے نفس ۔ اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ (کیا آپ نے ایسے لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے یہ بالکل اس طرح سے ہوتا ہے جیسا آپ حضرات آرمی میں ہیں تو آپ کی آرمی کے (RAGULATINS اور RULES) وضع اور FANA (کرنا یہ گورنمنٹ کا کام ہے آپ کا کام ان پر عمل کرنا ہے آپ کا یہ کام نہیں ہے کہ آپ اپنی پسند سے قانون بنانے شروع کر دیں آپ کا کام ہے جو قانون جو احکام گورنمنٹ نے آپ کے لیے تجویز کیے ہیں اُن پر عمل درآمد کرنا یہ آپ کا کام ہے تو اگر اس گورنمنٹ کو اس قدر حقوق حاصل ہیں کہ ہم نے اس کی ملازمت اختیار کی اپنی پسند سے ۔ ہمیں یہ وردی مہیا کرتی ہے ہمیں یہ راشن مہیا کرتی ہے اور تنخواہ دیتی ہے ۔ ہماری سہولتوں کا خیال رکھتی ہے اور اس کے بدلے حکومت کو ہم نے یہ حق دے دیا ہے کہ ہمارے سونے جاگنے کے ۔ کھانے پینے کے لباس کے بات کرنے کے اصول تو وضع کر سکتی ہے حتیٰ کہ

حکومت کہہ دے کہ تجھے لڑنا ہے تو سپاہی کا کام لڑنا ہے یہ نہیں پوچھتا کہ میں ایک ہوں مجھے ایک لاکھ سے لڑایا جا رہا ہے یا ایک سے لڑایا جا رہا ہے بعینہٖ اسی طرح اصل گورنمنٹ تو ذات باری تعالےٰ ہے اصل حکومت تو اس کی ہے ۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری ہے

یہ نظام کائنات چلانے کے ذریعے ہیں طریقے ہیں اللہ رب العالمین کی مخلوق ہے اس میں تفاوت ہے کوئی مزدور ہے کوئی آجر ہے کوئی گاہک ہے تو کوئی تاجر ہے کوئی مدعی ہے کوئی مفتی ہے کوئی حاکم ہے کوئی محکوم ہے ۔ لیکن اس عظیم شہنشاہ نے جو کائنات کا خالق ہے ایک فقیر سے لے کر شہنشاہ تک ایک نصاب مقرر کر دیا ہے کہ کس طرح سے زندگی بسر کرتی ہے کس طرح سے رزق کماتا ہے کہاں کہاں خرچ کرتا ہے ۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ جس قدر نظام معاشیات دنیا میں ملتے ہیں اور جن مختلف معاشیات کی تعریف میں لوگ رطب اللسان رہتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ کوئی معاشی نظام ایسا نہیں ہے ہر معاشی نظام کی بنیاد یہ ہے کہ کمائی اس طرح سے کر سکتے ہو اگر اس کے خلاف کسی نے پیسہ حاصل کیا تو مجرم ہوگا ۔ اور کمانے کے بعد اس کا اتنا حصہ حکومت کا ٹیکس ہے وہ دینے کے بعد آزاد آدمی ہے اپنے پیسے کو آگ لگا دیں کنویں میں پھینک دیں عمارت بنا لیں ، لباس بنا لیں کوئی معاشی نظام ۔ آپ کی رہنمائی نہیں کر سکتا یہ اس خالق کائنات کا مقرر کردہ نصاب ہے اور صرف اسلامی معاشی نظام ہے جو مزدوری سے لے کر خرچ کرنے تک آپ کی رہنمائی کرتا ہے کمانے کے طریقے مقرر کرتا ہے بیع اور شراح کے طریقے سکھاتا ہے ،

اُن پر اللہ کریم کا عائد کردہ ٹیکس تجویز کرتا ہے۔ اسے خرچ کرنے کی جگہ متعین کر دیتا ہے۔ کونسا ایسا مکمل معاشی نظام ہے جس کے لئے دنیا پاگل ہو رہی ہے۔ دنیا میں محض معاشی نظام مکمل وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے اس شہنشاہ عالم نے تجویز فرمایا جو ساری کائنات کا خالق ہے مالک ہے رب ہے رزاق ہے انسان اس دنیا میں اگر اللہ کریم کے احکام و فرامین کا پابند ہے۔ سلطان ابراہیم ادھم ولی اللہ گزرے ہیں بلخ کے حکمران تھے طبیعت پر جذب غالب آ گیا حکومت وغیرہ کو چھوڑ کر اللہ اللہ کرتے رہتے تھے ۔

لیتا ہوں اُن کا نام تو کھلتا ہے دل کا راز
یہ لفظ چھوڑ دوں تو فسانے میں کیا رہا

زندگی ہی لا حاصل ہے اس دنیا میں اس زمین میں اس جہان میں اس آسمان میں اللہ کی قسم جنت الفردوس میں اس نام کے سوا کوئی لذت نہیں اصل لذت اسی ذات کی ہے اصل لطف اسی نام میں ہے سہ

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تانہ چشی

کسی نے پیا ہی نہ ہو چکھا ہی نہ ہو اُس نے قدم ہی نہ اٹھایا لوگ ایسے ہیں ۔ دنیا کا کوئی کام ہو اُس پر تحریر کرتے ہیں اس کو آزماتے ہیں۔ کوئی غذا ہو تو اُسے آزماتے ہیں کوئی کھانا ہو تو آزماتے ہیں، لباس ہو آزماتے ہیں کوئی جگہ ہو اُسے آزما کر اُسے مقرر کرتے ہیں کہ یہ جگہ مناسب ہے یا غیر مناسب اللہ کی شان دین کی بات آ جائے اس پر بغیر عمل کرنے کے انکار سے شامل کر لیتے ہیں کہ ضرورت نہیں اس میں کیا ہے۔ کتنی ستم ظریفی ہے اور کتنی بے اصولی بات ہے کوئی ایمان سے ذرا بھی تجربہ کر کے دیکھ لے آج یورپ میں جو فراوانی ہے مال و زر کی۔ آپ جانتے ہیں انہوں نے تجارت کے اصول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چرائے تھے ہم ایسے بدنصیب ہیں کہ یورپ سے برائیاں تو امپورٹ کرتے ہیں لیکن اپنے بڑوں کی اچھائیاں جو وہ چھوڑ کر گئے۔ اگر مدینہ سے نہیں سیکھنا چاہتے تو کم از کم یورپ ہی سے سیکھ لو اگر آپ کو یہ بات یورپ ہی کی پسند ہے تو وہیں سے سیکھ لو۔ وہاں تو دکان پر اشیاء پڑی ہوتی ہیں قیمتیں درج ہوتی ہیں دکاندار معلوم نہیں کہاں ہے جسے ضرورت ہوتی ہے لے لیتا ہے قیمت رکھ دیتا ہے۔ یہ بات کس نے سکھائی تھی اس دنیا کو۔ یورپ میں جب مسلمان پہنچے تھے اللہ کی قسم انہیں مکان بنانے کا سلیقہ نہیں آتا تھا یہ وہ لوگ ہیں جو عمر بسر کر دیتے ہیں انہیں غسل کرنے کی تمیز نہیں آئی یہ وہ جنگلی ہیں جو بیاں کبھی نہانے کے لیے ٹب بناتے تھے اسی میں میل بھی اسی میں نجاست بھی اور اُسی سے اُٹھتے اور کپڑے پہنے اور چل دیے یہ تو جانوروں کی طرح زندگی بسر کرنے والے لوگ ہیں انہیں انسانوں کی طرح رہنا بھی تو مسلمان فاتحوں کے طفیل نصیب ہوا اور آج ہم ان سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ہمیں یورپ کی ہر ادا پسند آتی ہے اور پھر ساری نہیں جس میں کوئی خوبی ہے وہ ان سے بھی نہیں لیتے۔ میرے بھائی دو طرح کے اثر مرتب ہوتے ہیں ہر کام پر سورج طلوع ہوتا ہے اس سے کافر بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور مومن بھی۔ اس دنیا میں کافر اور مومن کے لئے

آسمانی دھوپ برابر ہے۔ غذا کھانے سے مومن کا بھی پیٹ بھرتا ہے اور کافر کا بھی بھر جاتا ہے۔ ایک اثر وہ ہے جو اس دنیا میں ظاہر ہوتا ہے ایک اثر ہر فعل کا وہ ہے جو اگلی زندگی میں ظاہر ہوگا جسے عرفِ عام میں موت کہہ دیا جاتا ہے حقیقت میں وہ ایک لمبی زندگی کی ابتداء ہے موت انتہا کا نام نہیں ہے۔ موت ایک طویل اور نہ ختم ہونے والی زندگی کی بنیاد اور اس کی ابتدا کا نام ہے تو دوسرا اجر جو اس زندگی میں مرتب ہوگا اس کے لئے انسان کا مومن ہونا ضروری ہے کام کرنے والے کا ایماندار ہونا ضروری ہے اگر ایمان نہیں ہوگا اگر اس زندگی کو مانتا ہی نہیں۔ اور توحید باری کا قائل ہی نہیں اگر اس کے پیغمبر کی رسالت کا منکر ہے اگر ضروریاتِ دین کا منکر ہے۔ اس اُخروی زندگی میں اجر مرتب نہیں ہوگا سزا ملے گی کہ تو اتنا اندھا تھا کہ اتنی کائنات کو دیکھ کر بھی خدا کو نہ جان سکا اور اتنے عظیم الشان رسول کی زبانی سن کر بھی سمجھ نہ سکا اور اتنی عظمت والی کتاب کو پڑھ کر نہ جان سکا۔ لیکن جو یہ زندگی ہے وقتی اور عارضی اس میں غذا کھانے سے کافر کا پیٹ بھی بھرتا ہے اس میں اگر کاروبار میں دیانت کو کافر بھی استعمال کرے گا تو اسے بھی دولت نصیب ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ وہ اصول پر عمل کرتے ہوئے زیادہ کما رہے ہیں ہم مسلمان ہیں کلمہ پڑھتے ہیں اور وہاں یورپ کی خیرات پہ نگاہ ہماری لگی ہوتی ہے کوئی بچا کھچا دے دے ہمارا گذارہ بھی چل جائے۔ کمال ہے مسلمان پہ جو کافر کی خیرات اور زکوٰۃ اور اس کا پس خوردہ کھا کر عمر بسر کرتا ہے کتنے شرم کی اور کتنے عیب کی بات ہے کہ جتنی اچھائیاں ہیں جتنی خوبیاں ہیں وہ اللہ کے مقرر کردہ نظام میں ہیں لیکن انسان ان عارضی رنگینیوں میں کھو جاتا ہے پھر اس کا نفس شرارت کرتا ہے شیطان اس کی رہنمائی کرتا ہے فلاں جگہ تجھے لذت نصیب ہوگی فلاں جگہ سرور نصیب ہوگا۔ یہ کام کرنے سے تیرا رعب بیٹھ جائے گا۔ یہ کرنے سے تو امیر ترین ہو جائے گا ہوتا ہواتا کچھ بھی نہیں۔ اگر شیطان سچ بولنا شروع کر دے تو دنیا میں جھوٹوں کی کوئی جائے پناہ رہے گی؟ اسے کیا غرض ہے سچی بات کرنے سے سارا جھوٹ پڑھاتا ہے سارا جھوٹ میدانِ حشر ہوگا اور ملامت کر رہے ہوں گے بدکار شیطان کو کہ اس لعین نے ہمیں تباہ کر دیا تو حدیث شریف میں آتا ہے وہ اللہ سے اجازت چاہے گا کہ اللہ مجھے ان سے بات تو کرنے دیں تیرا عذاب تو اپنی جگہ رہ گیا یہ مجھ پر کیوں تہمتیں باندھ رہے ہیں میں ان سے بات تو کروں یہ مجھے کیوں ملعون کہتے ہیں۔ تو اس کے لئے آگ کا منبر بنا دیا جائے گا جیسا تو ہے ایسا تیرا سٹیج بھی ہے تو اس پر کھڑا ہو کر کہے گا۔

(   ) مجھے ملامت کرتے ہوئے شرم نہیں آتی اپنے آپ کو ملامت کرو وہ لوگ جو انبیاء کو چھوڑ کر مجھ شیطان کے پیچھے لگ رہے ہو تمہیں شرم نہیں آتی۔ اللہ نے تمہارے ساتھ برحق وعدے کئے اللہ نے انبیاء کو دنیا میں مبعوث فرمایا تو تم محمد رسول اللہ کا دامن چھوڑ کر میری بات ماننے والو کان کھول کر سن لو۔

میں تمہیں اعلان کرتا ہوں۔ میں نے سب باتیں تمہیں چھوڑ دی
کی تھیں۔ بالکل یہی الفاظ قرآن کریم کے نقل کرے گا تو
جب نفس اس کا کیا ماننے لگ جاتا ہے اس کی باتیں
سننے لگ جاتا ہے تو اللہ کریم فرماتا ہے اطاعت کا حق
تو میرا تھا۔ ساری مخلوق میری اطاعت کرتی ہیں جس نے
انہیں پیدا کیا۔ وہ خدا جس نے انہیں وجود دیا جس نے
انہیں عقل دی جس نے انہیں فہم دیا جس نے انہیں رزق
دیا جس نے انہیں عزت دی جس نے ان لوگوں کے لئے
دنیا کا کتنا عظیم نظام اور سلسلہ بنا دیا وہ سورج، چاند،
بارش ہوا، بادل، زمین یہ چیز سے فائدہ حاصل کرتے
ہیں۔ انہیں سزا وار تو تھا میری عبادت کرتے لیکن
وہ مذہب جو میرا تھا انہوں نے اس شیطان کو دے دیا
میں بات کر رہا تھا سلطان ابراہیم ادہمؒ کی وہ حکومت
چھوڑ کر اللہ اللہ میں لگ گئے۔ ایک دفعہ ایک آدمی آپ
سے کہنے لگا حضرت مولوی تو شور ہی کرتے ہیں کام کی
بات تو کوئی سمجھ ہی نہیں آتی۔ نہ تو کوئی بتا سکتے ہیں
نہ صحیح رہنمائی کرتے ہیں۔ آپ ولی اللہ ہیں عمر رسیدہ ہیں
مجھ سے یہ محال ہے یہ نماز روزہ یہ تکلفات مجھ
سے نہیں ہو سکتے۔ آپ کوئی ایسا طریقہ بتا دیں۔ میں
عذاب الٰہی سے بچ جاؤں۔ مجھے جنت نہیں دیتا بے شک
نہ دے جہنم کے عذاب سے بچ جاؤں۔ یہ تکلف صبح
کو اٹھنے کا اور عشاء کا وضو سردیوں میں اور رمضان
کے روزے اور یہ دن بھر کی نمازیں اور یہ کھاؤ یہ حرام

ہے یہ نہ لو یہ حلال ہے اتنا تکلف مجھ سے نہیں ہو سکتا
وہ کہنے لگے یہ تو آسان سی بات ہے اس کا قاعدہ تو خدا
نے بتا دیا تو اس پر عمل کیوں نہیں کرتا وہ کونسا قاعدہ ہے
حضرت ہمیں تو کسی مولوی نے نہیں بتایا یہ بڑا دھوکا ہے
ہیں یہ گمان یہ ہے کہ ہمارے غیر ملکی حاکم نے ایک بڑی
ہی سکیم کے تحت لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیا ہے کہ تم
ڈوم کی مان لو مگر مولوی کی بات نہ مانو اور یہ بات لوگوں کے
دلوں میں ایسی بیٹھ گئی ہے کہ نورجہاں ایک فقرہ گاتی ہے
سارے بچے سے لے کر بوڑھے تک بازاروں میں گاتے
پھرتے ہیں۔ اور مولوی بیچارہ قرآن پڑھتا ہے تو کہتے
ہیں جی پرانی باتیں کرتا ہے یہ تو ایسی باتیں کرتے ہی رہتے
ہیں۔ وہ بے ایمان خود تو چلا گیا لیکن اس کی تفویض کردہ
یہ جو آداب تھے نا انہیں مٹانے کی ضرورت ہے اللہ کریم ان
سے ہمیں نجات بخشیں تب بات بنتی ہے۔ تو مولوی تو
ہیں ایسے ہی کرتے ہیں آپ نے خوب بتایا آپ مجھے طریقہ
بتا دیں۔ تو فرمایا اللہ کریم فرماتا۔ اے انسانوں اور
جنات کے گروہ اگر تم میری حکومت سے نکل سکتے ہو تو
چھوڑ دو میری خدائی کو کہیں اور جا کر بسو تو جب اللہ کی اطاعت
نہیں کرنا چاہتا تو تجھے زیب یہ دیتا ہے تو خدا کا ملک
چھوڑ دے اس کی حکومت چھوڑ دے اس کی سرحدوں
سے نکل جائیے۔ وہ جانے اس کی خدائی جانے تو اس
میں رہتا کیوں ہے تو وہ سوچنے لگ گیا کہنے لگا حضرت
آپ نے مولویوں سے بھی مشکل میں ڈال دیا ہے میں نے

میں نے تو کوئی سہل علاج پوچھا تھا آپ نے تو اور مصیبت میں ڈال دیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہاں جاؤں گا میں جہاں جاؤں گا اسی احکم الحاکمین کی حکومت ہوگی اُسی کی سلطنت ہوگی، ساری کائنات اسی واحدہٗ لاشریک کی پیدا کردہ ہے اس کی واحد ملکیت ہے تو کہنے لگے یار تُو تو بڑا بے بسی نکلا میں تو سمجھا تھا ہمت والا انسان ہے جو خدا کا مقابلہ سوچ رہا ہے تُو تو بڑا کمزور نکلا اچھا تو اس سے سہل تر بات کرے ایسا کر اللہ کریم کا رزق کھانا چھوڑ دے کم از کم جب اسی کی حکومت میں رہتا ہے تو اس کے خزانے پر تو بوجھ نہ بن تو جب تجھ سے باز پرس ہوگی تو کہہ دینا اللہ میں نے نہ تیرا کھایا ہے اور میں نہ تیرے در پر آیا ہوں کچھ بات تو بن جائے گی اس نے جواب دیا آپ نے پہلے سے مشکل بات کہی۔ بات تو ایک ہی ہے سارا فرش اُسی کا ہے ساری کائنات اُسی کی ہے ساری زمین اس کی ہے یہ شجر و حجر یہ درخت یہ سامان یہ تو ایک سرائے ہے یہ سارے اُسی کے مہمان ہیں۔ آتے ہیں رہتے بستے ہیں استعمال کرتے ہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

کہنے لگے یار تیری بڑی مجبوری ہے چل ایک بات کرے اللہ کریم نے اس دنیا کو دار العمل بنایا ہے دار الجزا آخرت ہے تو یہاں تھم جا مضبوط ہو جا آخرت کی طرف مت جانا یہاں اللہ کا وعدہ ہے یہ دار العمل ہے یہاں تو دوزخ کو کھینچ کر لانے سے رہا آخرت میں تو نہیں جائیگا کم از کم یہاں مامون تو رہے گا۔ حضرت آپ ساری باتیں مشکل بتلاتے ہیں آج تک کوئی منعدم کر سکا ہے جو میں کروں گا وہ جو کہا کرتا تھا کہ میں سب سے بڑا تمہارے لئے رب ہوں " فرعون۔ ایک واقعہ میں کہنے لگا امنا برب موسٰی و ہارون، اتنی سی تو جرأت ہے انسان میں کتنا سخت گیر انسان جیسے قرآن فرماتا ہے وفرعون ذی الاوتاد زندہ انسانوں کو دیواروں اور درختوں سے لٹکوا کر ہاتھوں میں کیلیں اور لوہے ٹھکوا کر رکھتا چیختے تھے، تڑپتے تھے لیکن کوئی نہ ان سے بات کر سکتا تھا نہ انہیں آرام پہنچا سکتا تھا اور نہ ان کو وہاں سے اتار کر سکتا تھا۔ عجیب عجیب طرح کے عذاب خلقِ خدا کو دیتا تھا سخت ظالم انسان تھا۔ ان فرعون علا فی الارض اللہ کریم فرماتا ہے دنیا میں اس نے تباہی پھیلا دی اور غالب آ گیا میری مخلوق پر۔ انتہائی ظالم انسان تھا لوگ اس کے سامنے سجدے کرتے تھے لیکن جب اللہ کی گرفت آئی ایک ہی غوطہ میں سمجھ آ گئی۔ میں کچھ بھی نہیں تو پھر آپ نے فرمایا اگر مرنا ہے تو کم از کم مر کر ایسا فنا ہو جا کر پھر سے زندہ نہ ہو سکے یہ متبادل راستہ ہے اگر کوئی تجویز نہیں بنتی تو بندہ ہی بن جا۔ اللہ کی عبادت کا حق یہ ہے کہ اسے عبادت سزاوار ہے تو یہ کی جائے اسے جتنی سجتی ہے اس لئے کی جائے لیکن اگر اس لئے نہیں کی جاتی تو کم از کم اپنی مجبوری سمجھ کر تو کر ہی لینی چاہیے۔ کم از کم انسان اپنی مجبوری کو مدنظر

کرے کہ اس کے سوا میرے پاس کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔
تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ جو دوسرا اگر وہ ۔۔ ہے جو اللہ کی خلاف
نہیں کرتا اللہ کی اطاعت نہیں کرتا۔ اللہ کریم فرماتا ہے
انہوں نے اپنے نفس کو معبود بنا لیا ہے اُسے وہ درجہ دے
دیا ہے جو میری ذات کو سزاوار ہے اور تھا سے ان کا کام تو
یہ تھا کہ میرے کہنے پر عمل کرتے اب جو لوگ آرمی میں رہتے
لیتے ہیں حکومت کے واضح احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں
ان کی جو عزت افزائی ہوتی ہے وہ تو آپ جانتے ہیں ابتداً
تنبیہ ہوتی ہے کسی کو (RAPAIMAND) ملتا ہے اور کسی
کو ایک دو دن کے لئے (ARREST) کرتے ہیں کسی کو پیٹی بھی
باندھ دیتے ہیں کسی کو ۲۸ دن کے لیے پھر چلتے پھرتے رفتہ
رفتہ ایک وقت آتا ہے کہ کورٹ مارشل ہوتا ہے اور جیل چلے
جاتے ہیں ہوتا ہے نا یہ؟ ادھر بھی ایسا ہی ہوتا ہے اگر انسان
کوتاہی کرے تو اُسے اللہ کا ذکر چھوٹ جاتا ہے اللہ اللہ
نہیں کر سکتا سحری کو جاگ نہیں سکتا جو تسبیح پڑھا کرتا
تھا ناغہ ہو جاتا ہے جو قرآن پڑھا کرتا تھا چھوٹ جاتا ہے
یہ (RAPRIMAD) ہوتا ہے اگر اس پر بھی وہ گستاخی
پر مائل رہے تو یہ ذکر سے تو پھر نمازوں میں فرق پڑنا شروع
ہو جاتا ہے پانچ کی چار پڑھ لیں کبھی تین پڑھیں گئی کبھی دو
چھوٹ گئیں کبھی ایک رہ گئی اگر اس پہ باز نہ آئے تو سرے
سے نمازیں جاتی رہتی ہیں اگر اس پر بھی بس نہ کرے تو مُہر
لگ جاتی ہے اور نکال دیا جاتا ہے اللہ کے غلاموں سے
یہ جتنے نئے نئے فرقے بن رہے ہیں یہ سارے ڈسچارج
شدہ ہیں ایمان سلب فرما لیا ہے ذاتِ باری نے انہیں اپنی مہر
سے خارج کر دیا ہے ان کے لئے سول جیل تجویز ہو چکی ہے
انہیں قید ہی کاٹنی ہے۔ پھر یہاں کی جیلیں اور ہیں اور اس
کے ہاں کی جیلیں اور ہیں۔ یہاں کے دن اور رات اور ہیں یہ
کٹ سکتا ہے یہ حکومتیں بدل جاتی ہیں پچھلے آنے والے
قیدیوں کو چھوڑ بھی دیتے ہیں یہاں کوئی رشوت بھی چل جاتی
ہے کوئی سفارش بھی ہو جاتی ہے وہاں نہ اس کی حکومت
کو زوال ہے نہ اس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت
ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں الذین یجعلون مع اللہ الٰھا
آخر۔ جنہوں نے میرے مقابلہ میں میری ذات کو چھوڑ کر
اپنی خواہشات کا بُت گھڑ لیا ہے یا کسی اور ہستی کی پرستش
شروع کر دی ہے (فسوف یعلمون) کوئی لمبی بات نہیں
ہے عنقریب انہیں سمجھ آ جائے گی کرنا چاہئے کیا تھا آئے
تھے کیا کرنے۔ اور کیا کر چلے یہ بات واضح ہو جائے گی کرنا
کیا تھا اور کرتے کیا رہے۔ یہ بالکل چند لمحوں کی بات ہے
یہ کوئی دیر کی بات نہیں (ولقد نعلم انک یضیق صدرک
یہ پہلے سے زیادہ دردناک بات ہے جو اس آیت میں اللہ
پاک نے بیان فرمائی ہے۔ یکم از کم جو آدمی
دعویٰ ایمان رکھتا ہے اسکو کب سزاوار ہے کہ وہ ایسا کام
کرے یا ایسی بات کرے جس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا دل دکھے کیا یہ کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے اللہ کی
نافرمانی پہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھتا ہے
یہ کسی بات کو دیکھیں کیا محبت کے آداب میں سے بھی ہے
کہ محبوب کو تنگ کیا جائے اللہ کی قسم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
پڑھنے کے بعد انسان پہ بہت بڑی ذمہ داری آ جاتی ہے
پھونک پھونک کے قدم رکھتا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں
مسلمان ہونا۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں کہ کوئی —

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بات کر رہا ہو اور ایسی ذو معنی لفظ استعمال کر دے جس میں توہین کا احتمال بھی ہو یا سمجھنے والا اس سے حضورؐ کی ذات کے متعلق توہین آمیز خیال اُس سمجھنے والے کے ذہن میں آجائے تو اس نے گویا دانستہ نہیں کیا لیکن کہنے والا کافر ہو گیا ہے

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

تو جلو کا فر توا زلی بد بخت تھے انہوں نے تو پیغمبر کی ناراضگی مول لی ہمیں کب سزاوار ہے کہ ہمارے اعمال دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر گرانی ہو۔ یہیں کیا سزاوار ہے۔ کم از کم درجہ ایمان کا یہ ہے کہ انسان سے اسکی کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ غلطیاں ہوتی ہیں لیکن اس کے دل میں درد ہو اتباعِ سنت کا۔ اور یہاں حیف ہے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو سارے دوست اور رشتہ دار بھی آتے ہیں کہ یار بڑا افسوس ہے تیری بکری مر گئی۔ تیرا لباس پھٹ گیا تیری سائیکل کا ایکسی ڈنٹ ہو گیا۔ وہ کیسے ہوا کیوں ہوا؟۔ اور ساری عمر کی اطاعتِ رسول کسی کی ضائع ہو جائے کوئی پوچھتا تک نہیں افسوس کرنے کی جگہ تو یہ تھی جو اصل دولت تھی جو اصل خزانہ تھا جو اصل مال تھا مسلمان کے پاس جب اس کا وہ ضائع ہو رہا ہے تو جتنا یہاں ہے اس کا دوست اس کا بھائی۔ اس کا والد اس کا قریبی اس کا درد مند اسکے سامنے بیٹھا میں کہتا ہوں، اظہارِ افسوس تو کم از کم کر دے کہ مجھے بڑا دکھ ہوا ہے تجھ سے آقائے نامدارؐ کی غلامی چھوٹ گئی اور اگر اسی پر بس ہوتی تو پھر خیر ہوتی خدا کی نافرمانی اتباعِ سنت چھوٹ گئی اور اس سے بڑھ کر والله نعلم۔

صدرنٹ، اللہ کریم فرماتا ہے تیرے دل پر جو گزرتی ہے میں جانتا ہوں میرے محبوب تجھے ایذا دینے والے سے ایذا کا بدلہ میں لوں گا۔ میں جان رہا ہوں میں دیکھ رہا ہوں میں نوٹ کر رہا ہوں سی آئی ڈی ان کے ساتھ لگی ہے ان کی ہر حرکت کو ہر حرکت کو ہر سخن کو ہر کلمے کو ہر بات کو لکھ رہے ہیں میں خوب جانتا ہوں جو تیرے دل کو دکھاتے ہیں میرے محبوب میں خوب جانتا ہوں فرمایا اے میرے حبیب تیری راحت کا جو سامان ہے تیرے جینے کا جو شربت ہے تو وہ پیا کر تیری طبیعت خوش رہا کرے وہ کیا ہے (فسبح بحمد ربک) یہ لفظ چھوڑ دوں تو خزانے میں کیا رہا میرے محبوب تو میرا ذکر کیا کر تو میری مجلس میں بیٹھا کر یوں مجھے ہمنشیں بنایا کر اور یہ ناقدر شناس لوگ تیری عظمت کو نہیں سمجھ سکے۔ میں اللہ العالمین تجھے جانتا ہوں۔ میں نے تو تجھے خود پیدا کیا ہے تو مجھے اپنا ہم جلیس بنا لیا کر (فسبح بحمد ربک) تجھے مخلوق کی احتیاج ہی کیا ہے میں خالق جو تیرا ہمنشیں ہوں (وکن من الساجدین) اور میرے محبوب تو مجھ سے قریب سے قریب تر ہو جایا کر کیوں حضورؐ فرماتے ہیں سب سے قربِ باری انسان کو اس وقت نصیب ہوتا ہے جب وہ سر بسجود ہوتا ہے زمین پر جھک کر جبیں اس مقام تک پہنچ کر جس مقام پر روح الامین بھی نہ جا سکے۔ آج تو سے بوجھ بن گئی ہے یہ نماز حقیقتاً اس شہنشاہ دو عالم کی ملاقات ہے تو گویا اب دنیا کے حاکموں سے مانگا جائے تو وہ چڑتے ہیں ناراض ہوتے ہیں بار بار درخواست کی جائے ناراض ہوتے ہیں مگر اس سے جو مانگنا چھوڑ دے وہ اس سے چڑتا ہے۔ اُن کے پیچھے تو بھاگتے

ہو جو دے بھی نہیں سکتے۔ جو خود محتاج ہیں۔ اسی سومنات میں
پھرتے پھراتے شیخ سعدیؒ کہیں پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا
تم مسلمان ضدی ہو۔ ضد سے کچھ نہیں مانتے کہ بت میں کچھ
نہیں ہوتا۔ آؤ ہم تمہیں اس بڑے بت کی کرامت دکھائیں اور
اس کا کمال دکھائیں۔ کہ اس میں کیسے کمالات ہیں وہ اس
کے گرد بھجن وغیرہ گانے بجانے لگ گئے اس زمانے میں کوئی
مشینی دور تو نہیں تھا انہوں نے کوئی ایسی چارسو بیس بنا رکھی
تھی کہ اندر کوئی کل وغیرہ لگا رکھی تھی اس کے نیچے کوئی زمین دوز
کمرہ بنایا ہوا تھا۔ تو جب مخصوص دُھن بجتی نیچے والے
کوئی چرخی سے پھیرتا تو اس کے دونوں ہاتھ یوں اٹھ جاتے
وہ سارے سربسجود ہو جاتے کہ ہمارے لئے دعا کرنا حضرت
شیخ سعدیؒ کو بھی لے گئے وہ بیٹھے رہے اور دیکھتے رہے
ان کی عبادت ہوتی رہی جب ان کا وہ مخصوص وقت ہوا اور
وہ مخصوص دُھن بجی۔ اس کے ہاتھ اس طرح سے اٹھ
گئے کہنے لگے دیکھنا پنڈت جی دیکھنا۔ اس کی عبادت کیوں
کر رہے ہو۔ وہ تو خود کسی سے مانگ رہا ہے تم اس سے
لینے آتے ہو وہ خود گداگر ہے۔ اتنا گرا ہوا کوئی گداگر بھی
نہ ہو جو مانگنے کے لئے گداگروں کی جھونپڑیوں کا چکر لگائے
کسی نے کوئی دیکھا ہے دنیا میں غریب سے غریب آدمی کے
دروازے پہ چلا جائے گا بھوکے سے بھوکے آدمی کے سامنے
دستِ سوال پھیلائے گا لیکن اپنے جیسے گداگر کے پاس نہیں
جائے گا۔ گداگروں کی بستی میں کوئی گدا نہیں کرتا وہ فرمانے
لگے یہ تو خود گداگر ہے خود مانگ رہا ہے تمہیں یا مجھے کیا دیگا
وہ بڑے ناراض ہو گئے۔ تم مولوی لوگ ہوتے ہی ضدی
ہو بات تو سیدھی کرتے نہیں ہو۔ یہ سمجھتے ہیں وہ آدمی اچھا

ہوتا ہے جسے جدھر کسی نے کھینچا اُدھر چلدیا اسے سمجھتے ہیں اچھا
ہوتا ہے۔ میاں ایک بات غور سے سُن لو ہر طبقے میں اچھے
بُرے لوگ ضرور ہوتے ہیں اچھے اور چھوٹے ہر طبقہ میں ہوتے
ہیں لیکن ایک بات اور بھی ہے کہ ہر آدمی کو مولوی کہہ دیا جاتا
ہے خواہ اس کا کردار کچھ بھی ہو یہ کہلانے کا مستحق وہ شخص ہے
جس کی زندگی آقائے نامدار کی غلامی کے لئے وقف ہو چکی ہو
وگرنہ مولوی کے نام پہ تہمت ہے کسی بادشاہ کا کوئی حجامت
بنایا کرتا تھا نائی۔ تو اس کی عادت تھی بادشاہ سلامت کی رات
کو سوتے وقت حجامت بنوا کر سوتے تھے تو ایکدن اتفاقاً
وہ لیٹ ہو گیا وقت پر نہ پہنچ سکا آیا تو بادشاہ سو چکا تھا
اُس نے سوچا صبح تو یہ مجھے قتل کر دے گا نہیں چھوڑے گا
پہرے دار تو اس کے بھی جاننے والے تھے دوست تھے ان
سے مل ملا کر کہنے لگا اجازت دے دو تو میں اس کی تھوڑی سی
چھیل ہی دوں۔ انہوں نے کہا اگر جاگ گیا تو ہماری سختی آجائے گی
اس نے کہا یہ میرا ذمہ ہے۔ جو شراب پی کر سوتا ہے اس لئے
کہتے اس کے منہ میں پیشاب کر جائیں تو یہ نہیں جاگتا تو حجامت
سے کیا جاگے گا وہ کیا ہے بازاروں میں پڑے ہوتے ہیں کتّا
پیشاب کر رہا ہے وہ کہہ رہا ہے تھوڑی سی اور دے دے
سمجھتا ہے کوئی میرے منہ سے جام لگا رہا ہے تھوڑی سی
اور آنے دے۔ تھوڑی تھوڑی کیوں ڈالتا ہے تھوڑی سی
اور آنے دے یہ نہیں سمجھتا کہ اس کی تو تو بھی آتی ہے اس نے
کہا یہ کب جاگے گا کب بیدار ہو گا انہوں نے اجازت دے دی
اس نے حجامت بنا دی صبح جب بادشاہ نے دیکھا حجامت
تو بنی ہوئی ہے پہرے داروں سے پوچھا انہوں نے کہا شہنشاہ
المعظم حجام رات کو آیا تھا حجامت بنا گیا اس نے کہا اسے

خلعتیں دے دو اور انعام دے دو اور اسے لقب دے دو
نائیوں کا شہنشاہ - لہٰذا وہ نائیوں کا شہنشاہ بن گیا لوگ اس
کی بیوی کے پاس مبارکیں دینے جانے لگے یہ تو گھر بیٹھے رنگ
مل جاتا ہے اسے مبارکیں دیتے مبارک ہو، مبارک ہو وہاں
ایک عقلمند تھی وہ کہنے لگی بادشاہ تو آیا ہے اُسے کیا سمجھ کر یہ
نائیوں کا بادشاہ ہے - نائیوں کا بادشاہ تو وہ ہو سکتا ہے
جسے چند نائی بھی بادشاہ مانیں جو اس فن کو جانتے ہیں - مولوی
تو وہ ہو سکتے ہیں جنہیں چند مولوی مولوی مانیں ایک ان پڑھ بقلم
خود کہدے کہ یہ مولوی ہے - مولانا تھانویؒ سے کسی نے شکایت
کی تھی کہ حضرت مولوی چور ہو گیا فرمانے لگے چوروں نے داڑھیاں
بڑھالیں ہیں مولوی چور نہیں ہوا چوروں نے داڑھی بڑھالی ہے
اور تم سمجھتے ہو مولوی چور ہو گیا ہے مولوی تو اس بارگاہ کا خادم
ہے احکم الحاکمین کا مقرر کردہ ہے محمد رسول اللہ کا نقیب ہے
منادی ہے اس کا کام ہے ندا کرنا ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے
تم بھی اسی کی مخلوق ہو اسی پیغمبر کی امت ہو وہ جانے آپ جانیں
آپ کا معاملہ ان کے ساتھ ہے ؎

مرادِ ما نصیحت بود گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

آپ کا معاملہ ان کے ساتھ ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ
مولوی پیغام کس کا دیتا ہے یہ بے شک تحقیق کرو مولوی
کی بات پر اعتبار نہ کرو اس کی بات کو جانچو تولو سوچو پرکھو کہ
یہ بات واقعی آقائے نامدار کی نقل کرتا ہے یا اپنے پاس سے
کہہ رہا ہے - اور اگر بات آقائے نامدار کی ہو تو یا اگر بات
احکم الحاکمین کی ہو تو مولوی کو چھوڑ دو خود تو اپنے تعلقات
درست کر لو - اللہ کریم فرماتے ہیں (فسبح بحمد ربك وكن من
الساجدين) اے میرے محبوب تو میرے نام کی رٹ لگا
تو مجھے اپنا ہم نشین بنائے اور تو میری بارگاہ میں سر بسجود
ہو کب تک یا اللہ دو دن چار دن دس دن چھ مہینے فرمایا
(واعبد ربك حتى يأتيك اليقين) دم واپسیں تک میری
بارگاہ کھلی ہے - اے میرے بندے میرا در ہو تیرا سر ہو
تو کسی کو دیکھنا پوچھنا ہی نہیں -

اللہ کریم مجھے اور آپ سب کو اپنی اطاعت کے رستے
پر لگائے (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب
العالمین لا شریک لہٗ و بذالک
امرت وانا اول المسلمین

بقیہ سیرت صحابہؓ

حضرت نوحؑ اور حضرت زکریاؑ نجار کا کام کرتے تھے
حضرت صالحؑ اور حضرت ہودؑ تجارت کرتے تھے
حضرت ابراہیمؑ حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ
کھیتی باڑی کرتے اور بھیڑ بکری پالتے تھے -
اور حضور اکرمؐ بکریاں چراتے تھے اور اس کی اجرت
پر اپنے چچا ابو طالب کے کنبے کی پرورش کرتے تھے - پھر
حضرت خدیجہؓ کے مال سے تجارت کرتے - ان کے نکاح کے
بعد وہی مال کام آنے لگا اور حضرت ابو بکرؓ کا مال اس مد
میں صرف ہونے لگا جہاد فرض ہوا تو حضورؐ نے فرمایا
جعل رزقی تحت ظل رمحی "یعنی میرا رزق میرے
نیزے کے سائے کے نیچے ہے"
مختصر یہ کہ کسب حلال حبِ مال منافی نبوت نہیں تو منافی
ولایت کیوں ہونے لگا ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

از حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ العالی

سیرۃ الصحابہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قسط (۲)

(پہلی قسط کے لیئے دیکھیے المرشد جلد ۲ ۔ شمارہ ۲ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ)

۹۔ صدیق اکبر کی مالی قربانیاں:

اسلام نام ہے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینے کا ۔ اپنی جسمانی قوت، ذہنی صلاحیتیں، اپنا وقت، اپنی مرغوبات گھر بار، مال و دولت ہر چیز کے متعلق یہ نظریہ عقیدہ اور یقین ہو کہ یہ سب کچھ اللہ رب العالمین کا ہے میری حیثیت محض امین کی ہے اور اس میں میری آزمائش ہو رہی ہے کہ میں اس سب کچھ کو اپنا سمجھ کر اپنی خواہش اور پسند کے مطابق اس سے کام لیتا ہوں یا ایک امین کی حیثیت سے اس کے اصل مالک کی پسند اور اس کے حکم کے تحت اسے استعمال کرتا ہوں ۔ کیونکہ اس نے صاف اعلان فرما دیا کہ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا اور احسن عمل ان دو صورتوں میں سے صرف دوسری صورت ہے ۔

اللہ کریم نے اپنی آخری کتاب میں اپنے آخری نبی کے جان نثار صحابہ کرامؓ کی عظمت کا جہاں بھی ذکر کیا ہے ۔ ان کی زندگی کا یہ پہلو بالعموم اہتمام سے واضح فرمایا مثلاً:

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

گویا صحابہ کرامؓ کا تعارف ہی ان کے اس وصف سے کرایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جان اپنا مال اور اپنا گھر بار سب کچھ اللہ کے دین کی خاطر قربان کر دیا اور اللہ کریم نے ان کے خلوص اور ایثار کی قدر بھی یوں فرمائی کہ ان کی زندگی میں ہی ان کے حق میں اعلان کر دیا کہ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ کہ ان لوگوں کو اللہ کا جو قرب حاصل ہے ان بلندیوں تک نبی نوع انسان میں سے کوئی نہیں پہنچ سکتا ۔

وقت وقت کی بات ہے بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں اور بعض وقت ایسے ہوتے ہیں کہ حالات اور ماحول کا دباؤ انسان کو بعض انہونی باتوں کے لیئے مجبور کر دیتا ہے ۔ ایسے وقت میں ایثار اور قربانی کی قدر و قیمت

ہی کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے متعلق اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ کے عمومی اعلان کے بعد پھر انہیں دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

ارشاد ہوتا ہے: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ۔

یعنی ساری مخلوق کے مقابلے میں تو صحابہ کرامؓ کا درجہ بلند ترین ہے مگر جہاں تک ان کا آپس میں مقابلے کا تعلق ہے وہ حضرات جو فتح مکہ سے پہلے اسلام کی خاطر مالی قربانیاں کرتے رہے وہ اپنے ان بھائیوں سے بھی بڑھ گئے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد دین حق کے لیئے مالی قربانیاں دیں۔ صدیق اکبرؓ کا شمار اس پہلے گروہ میں پہلے ہوتا ہے۔ دوسرے گروہ میں پھر۔ صرف پہلے گروہ میں شمار ہی نہیں بلکہ اس جماعت کا سردار بھی صدیقؓ اکبر ہے۔ چنانچہ: ریاض النضرہ میں ہے:

اَنْفَقَ اَبُوْبَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم اَرْبَعِيْنَ اَلْفًا

"یعنی ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریمؐ کی ذات پر ۴۰ ہزار نقد خرچ کیا تھا"

قَالَ اَسْلَمَ اَبُوْبَكْرٍ وَلَهٗ اَرْبَعُوْنَ اَلْفًا اَنْفَقَ كُلَّهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

"یعنی ابوبکر صدیقؓ جب ایمان لائے تو ان کے پاس ۴۰ ہزار نقد تھا سارے کا سارا نبی کریمؐ پر اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔"

بعض روایتوں میں ملتا ہے کہ آپ کے پاس اس وقت ۴۰ ہزار تھا ہجرت کے روز آپ کے پاس ۵ ہزار تھا جو سارا ہمراہ لے گئے۔ اسی وجہ سے صدیق اکبرؓ کے والد نے کہا تھا کہ ابوبکرؓ اپنے گھر والوں کو دو مصیبتوں میں ڈال گیا ہے۔ ایک قریش کی دشمنی دوسرا گھر والوں کو تلاش چھوڑ گیا۔ یہ سنکر صدیق اکبرؓ کی بیٹی اسماءؓ بنت ابی بکر اپنے دادا ابو قحافہ کو جو اس وقت نابینا ہو چکے تھے تسلی دینے کے لیئے اندر لے گئی۔ جہاں اس نے پہلے سے ایک گڑھا کھود کر کنکر اور ٹھیکریاں بھر دیں اور پر کپڑا ڈال رکھا تھا اس پر بوڑھے نابینا دادا کا ہاتھ رکھ کے کہا مال سب موجود ہے۔ اس واقعہ کو مؤرخ نے ان الفاظ میں بیان کیا۔

عن اسماء بنت ابی بکر قالت لما خرج رسول اللہ خرج ابوبکر معه واحتمل ابوبکر ماله كله معه خمسة الاف درهم او ستة خرج بها معه وقالت فدخل علينا جدي ابو قحافة وقد ذهب بصره وقال والله لاراه قد فجعكم بماله مع نفسه قالت كلا يا ابت انه قد ترك لنا خيرا كثيرا قالت فاخذت احجارا فوضعتها في كوة البيت الذي كان ابي يضع فيه ماله ثم وضعت عليها ثوبا ثم اخذت بيده فقلت يا ابت ضع يدك على هذا المال قالت فوضع يده عليه وقال لا بأس انه قد ترك لكم هذا وقد احسن قالت والله ما ترك لنا شيئا

حضرت اسماءؓ نے اپنے دادا کی تسلی کے لیئے یہ تدبیر کی مگر آخر میں حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ اللہ کی قسم ابوبکرؓ نے

نے ہمارے لیئے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ سب کچھ اللہ کی رضا کی خاطر کیا مگر حصول رضائے باری کے لیئے جو واحد واسطہ تھا اس کی قدردانی کا کیا کہنا عن ابی هریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر فبکی ابوبکر وقال ما انا ومالی الا لک۔ یعنی ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے فائدہ پہنچایا ابوبکرؓ یہ سنکر رونے لگے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ میری ذات اور میرا مال سب آپ کی خاطر ہے سب کچھ آپ پر قربان ہے مکی زندگی میں حضورؐ کی ذات اور حضورؐ کے پیغام کی خاطر جس قدر مالی ضروریات سامنے آتی تھیں وہ یا تو صدیق اکبرؓ کے مال سے پوری ہوتی تھیں یا حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مال سے یہ ہے لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح کی تفسیر اور اسی سے صدیقؓ اکبر کا تمام صحابہؓ سے اعظم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہیں سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ رسول خدا اور صدیق اکبرؓ کا مال اور عزت مشترک تھی اسی وجہ سے قرآن نے صدیقؓ کو ثانی اثنین کا لقب دیا۔ حضرت ابوہریرۃؓ کی ایک اور روایت ہے۔

نبی کریمؐ کی قدردانی:

۱۔ عن ابی هریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما لاحد عندنا ید الا وقد کافیناہ بها خلا ابابکر فان له یدا عندنا یکافیه اللہ بها یوم القیامة۔

" یعنی حضور اکرمؐ نے فرمایا کسی شخص کا مجھ پر کوئی احسان ایسا نہیں جس کا بدلہ میں نے چکا نہ دیا ہو۔ حضرت ابوبکرؓ کا احسان ایسا ہے جس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی اسے دے گا۔"

حضور اکرمؐ کے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ صدیق اکبرؓ کی قربانی کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے ایسی ہی ہے کہ اس کا بدلہ دینا انسانی طاقت سے باہر ہے خالق ہی اس کا بدلہ دے سکتا ہے۔ اور اس کا بدلہ اتنا ہے کہ یہ جہان اس کا متحمل نہیں۔ دار آخرت ہی اس کے بدلے کا متحمل ہو سکے گا۔

۲۔ ایک روز عقیل بن طالبؓ نے صدیق اکبرؓ سے تلخ کلامی کی مگر قرابت رسولؐ کی وجہ سے خاموش رہے مگر حضور اکرمؐ سے اس امر کی شکایت کر دی۔ حضور اکرمؐ صحابہ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور تقریر فرمائی جس کا کچھ حصہ " ریاض النضرہ " سے پیش کیا جاتا ہے۔

واللہ لقد قلتم کذب وقال ابوبکر صدق و امسکتم الاموال وجاد لی بماله وخذلتمونی وواسانی بنفسه

" بخدا تم قریش نے کہا کہ محمدؐ جھوٹ کہتا ہے (معاذ اللہ) مگر ابوبکرؓ نے کہا سچ کہتا ہے تم نے اپنے مال روک رکھے میری یا اسلام کی خاطر خرچ کرنا گوارا نہ کیا مگر ابوبکر نے نہایت فراخدلی سے

میری خاطر مال خرچ کرنا گوارا کیا مگر ابوبکرؓ نے
مجھے آرام پہنچانے کے لئے اپنی جان تک پیش کر دی۔"
اس خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اکرمؐ کے
دل میں جو قدر صدیق اکبرؓ کی تھی وہ اپنے رشتہ داروں
کی بھی نہیں تھی۔

۳۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ابوبکرٍ
اخی فی الدنیا والآخرۃ رحم اللہ ابا بکر
وجزاہ اللہ عن رسول اللہ خیرا فواسانی
فی النفس والمال۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں حضور اکرمؐ نے فرمایا۔
ابوبکر دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالے
اس پر رحم فرمائے اور اپنے رسول کی طرف سے اس
کو جزائے خیر دے اس نے اپنی جان اور مال سے میری
مدد کی۔"

گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے
عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ میری جان اور میرا مال آپ
ہی کا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور اکرمؐ
کی طرف سے اس پیشکش کو شرف قبولیت بخشا گیا اور
اللہ کے رسولؐ نے اپنے رب سے اس کا بدلہ دینے
کی دعائیں کیں۔

۴۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضور
اکرمؐ کے پاس بیٹھا تھا۔ صدیق اکبرؓ حضور اکرمؐ
کے پاس گودڑی لپیٹے بیٹھے تھے اتنے میں جبرئیلؑ
آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ابوبکرؓ نے یہ کیا
حالت بنا رکھی ہے۔

فقال یا جبریل انفق مالہ علیّ قبل الفتح
قال فان اللہ تعالیٰ یقرأ علیک السلام و
یقول لک قل لہ اراضٍ عنی انت فی فقرک
ھذا ام ساخط فقال النبیؐ یا ابا بکر ان اللہ
تعالے یقرأ علیک السلام ویقول لک اراضٍ
عنی فی فقرک ھذا ام ساخط فقال
ابوبکر اسخط علی ربی؟ انا عن ربی راض انا عن
ربی راض انا عن ربی راض (ریاض النضرۃ ص۱۵۱)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے
جبرئیل! ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال تو فتح مکہ سے
پہلے ہی مجھ پر خرچ کر دیا ہے (اب یہ حالت نہ ہو تو کیا
ہو) تو جبرئیل نے فرمایا یا رسول اللہ! اللہ تعالے
آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرمایا ہے کہ ابوبکرؓ سے
پوچھیں کہ کیا تم اس حالتِ فقر میں اللہ سے راضی
ہو یا نہیں؟ حضور اکرمؐ نے ابوبکرؓ کو اللہ کا پیغام
پہنچایا۔ ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی کیا اللہ تعالے
مجھ سے ناراض تو نہیں؟ میں تو اپنے رب سے
راضی ہوں، راضی ہوں، راضی ہوں۔"

حضور اکرمؐ کی قدردانی کے سلسلے میں روایات
گذر چکی ہیں اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ
کے ہاں صدیق اکبرؓ کی قدردانی کا یہ عالم ہے مگر جن
لوگوں کے دلوں میں اللہ اور رسول کی قدر نہیں وہ ان
کے محبوبوں کی بھلا کیا قدر کر سکتے ہیں۔

۵۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ما احد اعظم عندی یداً عن

اَحَدٌ بَکْرٍ فَاسَانِیْ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ وَاَنْکَحَنِیْ اِبْنَتَہٗ

"ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضور اکرمؐ نے فرمایا کسی آدمی کا احسان ابوبکرؓ کے احسان سے بڑھ کر مجھ پر نہیں ہے۔ اس نے میری جانی اور مالی مدد کی اور اپنی بیٹی میرے نکاح میں دے دی۔"

۶۔ مسجد نبوی کی تعمیر کا مسئلہ۔ ہجرت مدینہ کے وقت سب سے پہلا اجتماعی مسئلہ تھا۔ چنانچہ نماز باجماعت کے لیئے مسجد بنانے کی تجویز ہوئی۔ جگہ خرید لی گئی مگر قیمت کی ادائیگی کا معاملہ بڑا کٹھن تھا چنانچہ صدیق اکبرؓ ہی وہ شخص ہے جس نے قیمت اپنی گرہ سے ادا کی۔ قیامت تک جو مسلمان اس مسجد میں نماز ادا کرتے رہیں گے اس کا ثواب ابوبکر صدیقؓ کے کھاتے میں جمع ہوتا رہے گا۔

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

ابوبکر صدیقؓ بحیثیت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

منصب خلافت سنبھالتے ہی ابوبکر صدیق کا سارا دن امور مسلمین کے طے کرنے میں صرف ہوا شام کو اٹھے تو خیال آیا کہ گھر میں تو کھانے کی کوئی چیز نہیں بازار چلے گئے۔ آواز دی کہ مزدور کی ضرورت ہو تو مزدور موجود ہے جو دیکھتا لوٹ کے چلا جاتا کہ مزدور کہاں یہ تو خلیفہ رسول ہے اور ہم اس کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔ آخر ایک آدمی مل گیا جو نہ جانتا تھا اسے مزدور کی ضرورت تھی چنانچہ طے ہوا کہ میری بکری اٹھا کر گھر پہنچا دو ایک درہم دونگا مزدوری کی سودا لے کر گھر آگئے دوسرے روز تنخواہ مقرر ہوئی تاکہ امیر المومنین مسلمانوں کے امور کی طرف پوری توجہ دے سکے۔ فتح الباری ۸ : ۱۴۳ میں اس کی کچھ تفصیل دی گئی ہے۔

ان القدر الذی کان یتناولہ فرض لہ باتفاق من الصحابۃ فروی ابن سعد باسناد مرسل رجالہ ثقاۃ قال استخلف ابوبکر اصبح غادیا الی السوق علی راسہ اثواب یتجربھا فلقیہ عمر بن الخطاب وابوعبیدۃ بن الجراح فقال کیف ھذا وقد ولیت امر المسلمین قال فمن این اطعم عیالی قالوا انفرض لک ففرضوا لہ کل یوم شطر شاۃ۔

"صدیق اکبرؓ کی تنخواہ صحابہ کرامؓ کے اتفاق سے مقرر ہوئی ابن سعد نے مرسل اسناد کے ساتھ روایت کی جس کے تمام راوی ثقہ ہیں کہ جب ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو صبح سویرے کپڑے کے تھان سر پر رکھ کر بازار جا رہے تھے کہ فروخت کریں۔ آپ کو عمر فاروقؓ اور ابوعبیدہؓ بن الجراح راستے میں مل گئے انہوں نے کہا یہ کیا حالت ہے آپ تو مسلمان کے امیر مقرر ہو چکے ہیں فرمایا میرے اہل و عیال کھائیں گے کہاں سے؟ انہوں نے کہا ہم بیت المال سے آپ کی تنخواہ مقرر کرتے ہیں۔ تو صحابہؓ نے ابوبکر صدیقؓ کے لیئے ایک بکری کا نصف حصہ آپ کا روزینہ مقرر فرمایا۔"

اور کنز العمال میں بحوالہ ابن سعدؒ، حمید بن ہلال سے مروی ہے کہ:

لما ولی ابوبکر قال اصحاب رسول اللہ افرضوا الخلیفۃ رسول اللہ ما یغنیہ قالوا نعم برداہ ان اخلقھما وضعھما واخذ مثلھما وظھرہ اذا سافر ونفقتہ علی اھلہ کما کان ینفق قبل علی اھلہ قبل ان یستخلف قال ابوبکر رضیت۔

"جب ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ خلیفۂ رسولؐ کی تنخواہ مقرر کریں جو ان کی ضروریات کے لئے کافی ہو سب نے باتفاق اس تجویز کو درست قرار دیکر مقرر یہ کیا کہ ان کے لئے دو چادریں بیت المال سے دی جائیں جب یہ پرانی ہو جائیں تو بیت المال میں داخل کر کے ایسی اور لے لیا کریں ایک سواری کا انتظام ہو جس پر یہ سفر کریں اور اہل و عیال کے لئے اتنا خرچ جتنا آپ خلیفہ بننے سے پہلے کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا میں اس پر راضی ہوں۔"

فتح الباری نے اس تنخواہ کی علت بھی بیان کردی کہ: فامتنع بامر المسلمین عن الاکتساب یعنی ابوبکر صدیقؓ کاروبار خلافت کی مصروفیات کی وجہ سے اپنے کاروبار کے لئے وقت نہیں نکال سکتے تھے اور بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ:

قال ابوبکر شغلت بامر المسلمین فسیأکل آل ابی بکر من ھذا المال ویحترف للمسلمین

"یعنی ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا اب میں مسلمانوں کے کاموں میں مشغول ہو چکا ہوں اس لئے ابوبکرؓ کا کنبہ بیت المال سے گا اور ابوبکر ان کا کام کرے گا۔"

روایت میں مقدار تنخواہ میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے مگر علامہ بیہقی نے سنن الکبریٰ ٦: ٣٥٣ پر ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت کا مجموعی خرچ لکھ دیا ہے۔

فانفق فی سنتین وبعض اخری ثمانیۃ الاف درھم فلما حضرہ الموت قال قد کنت قلت لعمر انی اخاف ان لا یسعنی ان آکل ھذا المال شیئا فغلبنی فاذا انا مت فخذوا من مالی ثمانیۃ الاف درھم وردوھا فی بیت المال قال أتی بھا عمر رحم اللہ ابابکر لقد اتعب من بعدہ تعبا شدیدا۔

"حضرت ابوبکرؓ نے اپنے سوا دو سال کے زمانۂ خلافت میں قریباً ٢ ہزار روپیہ بیت المال سے لے کر خرچ کیا۔ وفات کے وقت فرمانے لگے میں نے عمرؓ سے کہا تھا کہ بیت المال سے میرے لئے کھانا ٹھیک نہیں مگر عمرؓ نے مجبور کیا۔ میں مر جاؤں تو میرے مال سے دو ہزار روپے لے کر بیت المال میں واپس کر دینا۔ آپ کی وفات کے بعد وہ مال فاروق اعظمؓ کے پیش کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے اس نے بعد میں آنے والے خلفاء کو سخت مشکل میں ڈال دیا۔"

اور کنز العمال میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ صدیق اکبرؓ نے فرمایا انا منذ ولینا امر المسلمین لم نأکل درھما ولا دینارا ولکن قد اکلنا من جریش طعامھم فی بطوننا ولبسنا من خشن ثیابھم

علیٰ ظهورنا وليس عندنا من فيئ المسلمين قليل ولا كثير الا هذا العبد الحبشي وهذا البعير الناضح وجرد هذه القطيفة فاذا مت فابعثي بهن الى عمر فابوني منهن ففعلت فلما اتي الرسول عمر بكي حتى جعلت تسيل دموعه على الارض وجعل يقول رحم الله ابابكر لقد اتعب من بعده يا غلام ارفعهن فقال عبد الرحمٰن بن عوف سبحان الله تسلب عيال ابي بكر عبدا حبشيا وبعيرا ناضحا وجرد قطيفة ثمن خمس دراهم قال فما تأمر قال تردهن على عيال ابي بكر قال لا۔

"صدیق اکبرؓ نے فرمایا جب مجھے مسلمانوں کا حاکم بنایا گیا تو میں نے کوئی درہم و دینار نہیں کھایا بلکہ موٹی خشک روٹی میری غذا رہی اور موٹا کھُردرا کپڑا میرا لباس رہا اور ہمارے پاس مسلمانوں کے مالِ فئے سے کوئی چیز نہیں سوائے ایک حبشی غلام کے پانی نکالنے والے ایک اونٹ اور ایک پرانی چادر کے۔ پس جب میں مرجاؤں تو اے عائشہؓ یہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کو پہنچا دینا اور ان سے مجھے بری الذمہ کروینا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے ایسا ہی کیا۔ جب یہ چیزیں لے کر آدمی حضرت عمرؓ کے پاس گیا۔ تو حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہو گیا حتیٰ کہ ان کے آنسو زمین پر بہنے لگے اور وہ فرماتے تھے کہ ابوبکر پر اللہ رحم کرے اس نے بعد میں آنے والوں کو سخت مشکل میں ڈال دیا۔ پھر آپ نے غلام کو حکم دیا کہ یہ چیزیں بیت المال میں داخل کر دے۔ یہ سنکر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بولے کیا آپ ایک غلام، ایک اونٹ اور ایک چادر جس کی قیمت سوا روپیہ سے بھی کم ہے ابوبکرؓ کے کنبے سے چھیننا چاہتے ہیں۔ فاروق اعظمؓ نے پوچھا آپ کا کیا خیال ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ چیزیں ابوبکرؓ کے گھر والوں کو واپس کر دیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا میں ایسا نہیں کروں گا یعنی ان کی وصیت کو نافذ کروں گا"

تاریخ الخلفاء میں بحوالہ ابن ابی الدنیا ابوبکر بن حفص سے بھی یہی مروی ہے۔ اور امام احمد نے کتاب الزہد میں بھی اسی مضمون کی روایت بیان کی ہے۔

اور کنزل العمال میں صدیق اکبرؓ کے الفاظ یوں ملتے ہیں فلما حضرة الوفاة قال ردوا ما علينا من مال المسلمين فاني ما اصيب من هذا المال شيئا وارضي التي بمكان كذا وكذا للمسلمين بما اصيب من اموالهم ندفع الى عمر ذالك۔

"وفات کے وقت صدیق اکبرؓ نے فرمایا ہم نے بیت المال سے جو کھایا ہے وہ واپس کر دینا۔ مکہ میں میری فلاں فلاں زمین فروخت کر کے جو (دو ہزار روپیہ) بیت المال سے لیا وہ تمام خلیفہ عمرؓ کے پاس پہنچا دینا"

تاریخ طبری ج ۳ میں حضرت عائشہؓ کی زبانی صدیق اکبرؓ کے اخراجات کا کچھ اجمالی بیان ہوا ہے۔

فتركت تجارتي واستفيق من مال المسلمين ما يصلحه ويصلح عياله ما يوهر وبحج وليعتمر وكان الذي فرضوا له في كل سنة ستة الاف درهم فلما حضرته الوفاة قال ردوا ما عندنا من مال المسلمين فاني لا اصيب من هذا المال شيئا

وان ارضی التی بمکان کذا وکذا للمسلمین بما اصبت
من اموالھم فدفع ذلک الی عمر الی ان قال ابوبکر
انظر ما کم انفقت منذ ولیت من بیت المال
فاقضوہ عنی فوجدوا المبلغ ثمانیۃ آلاف درھم
فی ولایتہ ۔

"حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو تجارت ترک کردی اور بیت المال
سے اتنا خرچ کرتے جو روزانہ ضروریات کے لیے کفایت
کرتا تھا۔ اور حج اور عمرہ پر خرچ ہوتا تھا۔ آپ کے لئے
جو وظیفہ مقرر ہوا وہ چھ ہزار درہم سالانہ تھا۔ جب آپ
کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا جو مال میں نے بیت المال
سے لیا ہے وہ سارا بیت المال میں واپس کر دیا اس
مقصد کے لئے میری زمین بیچ دینا جو فلاں فلاں جگہ
موجود ہے اور فرمایا حساب کر کے دیکھو میں نے کتنا
مال خرچ کیا ہے حساب کیا گیا تو معلوم ہوا زمانہ خلافت
(سوا دو برس) میں ۸ ہزار درہم قریباً ۲ ہزار روپیہ خرچ ہوا
تھا۔

مسائل: حضرت ابوبکرؓ کے اس رویہ اور صحابہ کے
تعامل سے تین امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

۱۔ جو شخص قومی خدمت پر مامور ہو اور اپنی معاش کے لیے
کوئی کام نہ کر سکے تو اس کی ضروریات کو پورا کرنے کا
بندوبست کرنا قوم کے ذمے ہے اور اس کے لئے وہ
حق الخدمت حلال اور جائز ہوگا۔

۲۔ صدیق اکبرؓ نے اس قانون کے تحت حق الخدمت لینا تو
قبول کر لیا مگر آخری وقت یہ سارا لوٹا دینے کا حکم دیا یہ
ان کا تقویٰ ہے۔

۳۔ صدیق اکبرؓ نے پہلے فتویٰ پر عمل کر کے سنت پر عمل کیا پھر
تقویٰ اختیار کر کے اپنے آپ کو قرآن حکیم کی اس آیت
کا مصداق ثابت کر دیا کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ
اَتْقٰکُمْ یعنی تم مسلمانوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں
سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی
ہے۔" اور صدیق اکبرؓ کے اس تقویٰ کی مثال اسلامی
تاریخ میں اور کہیں نہیں ملتی اس سے آپ کا افضل البشر بعد
انبیاء ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

صدیق اکبرؓ کی یہ عظمت صفت تقویٰ کی بناء پر ثابت
ہوتی ہے اور مطلق انفاق مال کے اعتبار سے صدیق اکبرؓ
کا جو مقام ہے اس کا اعلان قرآن کریم نے واضح الفاظ
میں فرمایا کہ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ
الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۔ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ
الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۔

"یعنی تم میں سے وہ شخص بلند ترین درجہ رکھتا ہے
جس نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا
بمقابلہ ان صحابہ کے جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ
کیا اور جہاد کیا

مگر اس آیت کا آخری ٹکڑا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی
یعنی ایک گروہ کی عظمت اپنی جگہ مسلم مگر دونوں گروہ ایسے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نہایت اعلیٰ صلہ دینے کا وعدہ
کر رکھا ہے اس ٹکڑے سے تمام صحابہ کا کامل الایمان ہونا
ثابت ہے جو وعدہ اللہ الحسنیٰ کا تقاضا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں میں سب سے زیادہ مالدار حضرت عثمانؓ تھے۔ مگر اس دور میں حضور اکرمؐ کی خاطر اور دین کے لیئے مال صرف ابوبکر صدیق ہی کا خرچ ہوا لہذا صحابہ میں کوئی ان کی برابری نہیں کر سکتا حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف بھی متمول ترین صحابہ میں سے تھے مگر وہ مدینہ آکر تجارت کر کے اس مقام تک پہنچے۔

حضرت علیؓ تو عمر اور خوشحالی کے اعتبار سے اس قابل ہی نہ تھے کہ کچھ مال خرچ کر سکتے۔ کیونکہ آپ کی پرورش بلکہ ابوطالب کے کنبہ کی پرورش خود نبی کریمؐ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے تمول اور انفاق فی سبیل اللہ کے جذبہ سے ایک اور حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ جو مال اللہ کی راہ میں اور اللہ کے دین کی خاطر خرچ ہو وہ مال عین دین اور عین عبادت ہے جس دور میں ہم گذر رہے ہیں اس سے ملتے جلتے حالات میں امام الاتقیاء حضرت سفیان ثوری نے فرمایا تھا۔ کہ جس عالم دین کے پاس مال ہو اُسے چاہیے کہ اسے اور بڑھالے ورنہ دنیا امراء آپ لوگوں کو رومال بنا کر اپنا چہرہ صاف کیا کریں گے"

اور اس حقیقت کی نشان دہی خود خاتم الانبیاء اور خاتم الاتقیاء نے فرما دی ہے جیسا کہ کنز العمال ۳: ۲۲۳ میں ذکر ہوا۔

۱۔ عن ابی بکر الصدیقؓ۔ قال دینک لمعادک ودرھمک لمعاشک ولا خیر فی امرء بلا درھم

"تمہارا دین آخرت کے لیئے ہے اور تمہارا مال معاش کے لیئے ہے مال کے بغیر انسان ذلیل ہوتا ہے"

۲۔ عن علیؓ قال خیارکم من لم یدع آخرتہ لدنیاہ ولا دنیاہ لآخرتہ

"یعنی تم میں سے اچھا آدمی وہ ہے جو دنیا کی خاطر آخرت کو نہ چھوڑے اور آخرت کی خاطر دنیا کو نہ چھوڑے"

۳۔ عن حذیفہؓ۔ قال خیارکم الذین یاخذون من دنیاھم لآخرتھم۔

"یعنی تم میں سے سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو دنیا سے آخرت کو حاصل کر لیتے ہیں۔"

۴۔ عن حذیفہؓ۔ قال لیس خیارکم من ترک الدنیا للآخرۃ۔ ولا من ترک الآخرۃ للدنیا ولکن خیارکم من اخذ من کل۔

"تم میں سے اچھا وہ نہیں جو آخرت کے لیئے دنیا کو چھوڑ دے نہ وہ اچھا ہے جو دنیا کی خاطر آخرت کو چھوڑ دے بلکہ اچھا وہ ہے جو دونوں سے اپنا حصہ حاصل کرے"

۵۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم لا خیر فیمن لا یحب المال یصل بہ رحمہ و یؤدی بہ امانتہ ویستغنی بہ عن خلق ربہ (کنز العمال)

"نبی کریمؐ نے فرمایا وہ آدمی اچھا نہیں جو مال کو اچھا نہیں جانتا حالانکہ وہ مال سے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کر سکتا ہے امانتیں ادا کر سکتا ہے اور مخلوق کا دست نگر ہونے سے مستغنی رہ سکتا ہے"

۶۔ قال یاتی علی الناس زمان لا ینفع فیہ الا الدینار والدرھم۔ حضورؐ نے فرمایا ایک وقت آنے والا ہے کہ روپیہ پیسہ ہی کام دے گا"

۷۔ قال نعم العون علی تقوی اللہ المال

"یعنی تقویٰ اور اللہ کے خوف کے لیئے انسان کا بہترین معاون مال ہے"

۸۔ قالؐ لاتسبوا الدنیا فلنعم المطیة للمؤمن علیها یبلغ الخیر وعلیها ینجو من الشر۔

" فرمایا دنیا کو بُرا نہ کہو یہ مال تو مومن کے لیئے اچھی سواری ہے جس کے ذریعے وہ خیر و خوبی کو پہنچتا ہے اور اسی کے ذریعے برائی اور تکلیف سے نجات پاتا ہے "

۹۔ الدراھم والدنانیر خواتیم اللہ فی ارضہ من جاء بخاتم مولاہ قضیت حاجتہ

" مال و دولت اللہ تعالیٰ کی تصدیقی مُہر ہے جو آدمی اس مُہر کو لے کر کسی کے پاس جائے گا اس کی حاجت پوری کی جائے گی۔

۱۰۔ قالؐ لیس بخیرکم من ترک الدنیا لآخرتہ ولا آخرتہ لدنیاہ حتیٰ یصیب منہما جمیعاً فان الدنیا بلاغ الی الآخرة ولا تکونوا کلاً علی الناس۔

" فرمایا تم میں وہ آدمی اچھا نہیں جو دنیا کو آخرت کے لیئے بالکل ترک کر دیا یا جس نے آخرت کو دنیا کی ہوس میں چھوڑ دیا بلکہ اچھا وہ ہے جو دنیا اور آخرت دونوں سے اپنا حصہ لے اور حقیقت یہ ہے کہ مال دنیا آخرت کی سواری ہے۔ دیکھنا مخلوق کے لیئے بوجھ نہ بن جانا "

۱۱۔ قالؐ اذا کان فی آخر الزمان لابد للناس فیھا من الدراھم والدنانیر یقیم الرجل بہا دینہ ودنیاہ

" فرمایا ایک وقت آئے گا کہ لوگوں کے لیئے مال کا موجود ہونا لازمی ہو جائے گا۔ مال کے ذریعے ہی انسان اپنے دین اور دنیا کو بچا سکے گا (ورنہ اس کا دین اس کی عزت، اس کی آبرو محفوظ نہیں رہ سکے گا)

۱۲۔ قالؐ الزھادة فی الدنیا لیست بتحریم الحلال ولا اضاعة المال۔

" فرمایا زُہد یہ نہیں کہ آدمی حلال کو اپنے لیئے حرام کرے اور نہ زہد و تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اپنے مال کو ضائع کرے "

۱۳۔ قالؐ من فقہ الرجل ان یصلح معیشتہ ولیس من حب الدنیا طلب ما یصلحک۔

" انسان کی عقلمندی کی علامت یہ ہے کہ اس کی معیشت درست ہو۔ اپنے اور اہل و عیال کے حالات درست رکھنا حبِ دنیا نہیں ہے "

۱۴۔ قالؐ۔ یا اباذر انہ لا یضرک من الدنیا ما کان للآخرة انما یضر من الدنیا ما کان للدنیا

" فرمایا اے ابوذرؓ! جو مال آخرت کی بہتری کے لیئے ہو وہ تمہارے لیئے نقصان دہ نہیں۔ مضر وہ مال ہے جو دنیوی تفوق کی خاطر اور صرف مال جمع کرنے کی ہوس کو پورا کرنے کے لیئے ہو۔ "

کسب مال اور اس کی ضرورت کے سلسلے میں یہ چند ارشادات نبوی لکھنے کی تحریک اس وجہ سے ہوئی کہ صدیق اکبرؓ کے مال و دولت نے عملاً یہ ثابت کر دیا کہ مال فی نفسہ بُری چیز نہیں اللہ اور اس کے رسولؐ نے مال کے لیئے "خیر" کا لفظ استعمال کیا ہے اس کی حیثیت ذریعہ کی ہے مگر یہ اللہ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے اور اللہ کے غضب کو دعوت دینے کا ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں یہی مال سراپا خیر ہے اور دوسری صورت میں شر ہی شر ہے صدیق اکبرؓ نے مال کے لیئے

لفظ خیر کے اطلاق کا نمونہ پیش کر دیا جس کی تصدیق اللہ اور اس کے رسول نے برملا کر دی۔

اس بیان کی دوسری وجہ یہ ہے کہ معاندین نے اسلام کے ذمہ یہ تہمت لگا رکھی ہے کہ اسلام ترک دنیا سکھاتا ہے اور مال اور صاحب مال کی مذمت کرتا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اسلام کسب مال کی مذمت نہیں کرتا بلکہ اسے ضروری قرار دیتا ہے ہاں اس پر بعض پابندیاں ضرور عائد کرتا ہے البتہ حب مال اور ہوس زر کو اسلام واقعی مذموم سمجھتا ہے کیونکہ محبت کا یہ خاصہ ہے کہ انسان کی توجہ محبوب سے ہٹنے نہیں دیتی لہذا ہوس زر کا رلیا انسان شرف انسانیت سے گر کر اسفل السافلین تک پہنچ جاتا ہے۔ اس فرق کو عارف رومیؒ نے ایک شعر میں بیان کر دیا ہے ؎

آب زیر کشتی اور ایشتی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

دوسرے رنگ میں فرمایا ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس دور میں ہوس زر اور دین سے دوری قریباً ایک ہی رفتار سے آگے بڑھ رہی ہیں۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ دولت اور دین میں جو قدرتی تعلق ہے اور دولت کے افادی پہلو کا احساس دلایا جائے اس کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ منبر و محراب اور تسبیح و سجادہ سے جو تبلیغ اسلام ہو رہی ہے وہ نہ تو کما حقہ تبلیغ ہے نہ اس کا اثر ظاہر ہو رہا ہے وجہ یہ ہے کہ منبر و محراب اور تسبیح و سجادہ کو ذریعہ معاش بنا لیا گیا ہے جس جسم کی دونوں آنکھیں دوسروں کے ہاتھوں اور جیبوں پر جمی ہوئی ہوں۔ اس جسم کی ایک زبان پر سچی بات کا ایک لفظ بھی آ جائے کیونکر ممکن ہے اس لئے ہدایت کے ان سرچشموں سے مداہنت چاپلوسی، جانبداری اور تعصب کے جراثیم دھڑا دھڑ پھیل رہے ہیں جن کا اثر دین سے دوری بلکہ بیزاری کی صورت میں ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس کی پانچویں وجہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جائز طریقے سے اکتساب مال نہ تو دین داری کے منافی ہے نہ شریعت کے علم اور تصوف کے منافی ہے کہ عالم اور صوفی کو لازماً مفلس و قلاش اور دوسروں کا دست نگر ہی ہونا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب اکتساب مال نبوت کے منافی نہیں تو تصوف کے منافی کیوں ہونے لگا۔ انبیاء کرام کی عملی سنت کے بیان میں البدایہ والنہایہ میں علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ "علماء تاریخ و تفسیر وغیرھم نے فرمایا کہ حضرت ایوبؑ کثیر المال تھے آپ کے پاس ہر قسم کے مال کی فراوانی تھی مثلاً مویشی، بھیڑ، بکری اور غلام وغیرہ اور کاشتکاری کا وسیع انتظام تھا۔ آپ کا مسکن علاقہ شام میں موضع بثنیہ حوران میں تھا۔"

تفسیر درمنثور میں ہے کہ:

"حضرت داؤدؑ دن میں ایک زرہ بناتے تھے جو چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے اس کا دو تہائی حصہ بنی اسرائیل اور اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتے تھے۔"

حضرت آدمؑ کھیتی باڑی کرتے تھے۔

حضرت ادریسؑ خیاطی کرتے تھے۔

محمد تقی عثمانی

احساسات

اپنے گھروں کو بچایئے

زمانہ تیزی سے بدل رہا ہے کہ جس انقلاب کو پہلے ایک طویل مدت درکار تھی اب وہ دیکھتے ہی دیکھتے رونما ہو جاتا ہے۔ آج کے ماحول کا زیادہ نہیں پندرہ بیس سال پہلے کے وقت سے موازنہ کیجیے، زندگی کے ہر شعبہ میں کایا ہی پلٹی ہوئی نظر آئے گی، لوگوں کے افکار و خیالات، سوچنے سمجھنے کے انداز، معمولاتِ زندگی، معاشرت، رہن سہن کے طریقے، باہمی تعلقات، غرض زندگی کے ہر گوشے میں ایسا انقلاب برپا ہو گیا ہے کہ بعض اوقات سوچنے سے حیرت ہو جاتی ہے۔

کاش یہ برق رفتاری کسی صحیح سمت ہوتی تو آج ہماری قوم کے دن پھر چکے ہوتے، لیکن حسرت اور شدت افسوس اور ناقابل بیان افسوس اس بات کا ہے کہ یہ ساری برق رفتاری الٹی سمت میں ہو رہی ہے کسی شاعر حکیم نے یہ مصرعہ مغرب کے لیے کہا تھا مگر آج یہ ہمارا اپنا حال بن چکا ہے کہ

تیز رفتاری ہے، لیکن جانب منزل نہیں

اس بات کو کب تک اور کس کس عنوان سے کہا جائے کہ پاکستان اسلام کے لیے بنا تھا۔ اس لیے بنا تھا کہ یہاں کے باشندے احکام الٰہی کا عملی پیکر بن کر دنیا بھر کے لیے ایک قابل تقلید مثال قائم کریں لیکن ہماری ساری تیز رفتاری اس کی بالکل مخالف سمت میں صرف ہوتی رہی اور آج تک ہو رہی ہے جن گھروں سے کبھی کبھی تلاوت قرآن کی آواز آ جایا کرتی تھی اب وہاں صرف فلمی نغمے گونجتے ہیں جہاں کبھی اللہ رسولؐ اور اسلاف امت کی باتیں ہو جایا کرتی تھیں اب وہاں باپ بیٹوں کے درمیان بھی ٹی وی فلموں پر تبصرے ہی زیر بحث رہتے ہیں، جن گھرانوں میں کبھی کسی اجنبی عورت کی تصویر کا داخلہ محال تھا، اب وہاں باپ بیٹیاں اور بہن بھائی ایک ساتھ بیٹھ کر نیم برہنہ رقص دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں جن خاندانوں میں کبھی حرام آمدنی سے آگ کے انگاروں کی طرح پرہیز کیا جاتا تھا اب وہاں نسلیں کی نسلیں سود، رشوت اور قمار سے پروان چڑھ رہی ہیں۔ جو خواتین پہلے برقع کے ساتھ باہر نکلتی ہوئی ہچکچاتی

سکتیں، اب وہ صرف بیٹے کی قید سے آزاد ہو رہی ہیں۔ غرض اسلامی احکام سے عملی اعراض اس تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ مستقبل کا تصور کر کے بعض اوقات روح کانپ اٹھتی ہے۔

اس تشویش ناک صورتِ حال کے یوں تو بہت سے اسباب ہیں، لیکن اس وقت اس کے صرف ایک سبب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے خدا کرے کہ اسے اسی توجہ اور اہتمام کے ساتھ سنا اور سمجھ لیا جائے جس کا وہ مستحق ہے۔

وہ سبب یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو لوگ دیندار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اپنے گھر والوں کی دینی اصلاح و تربیت سے بالکل بے فکر ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ اگر آپ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو ایسی بیسیوں مثالیں آپ کو نظر آ جائیں گی کہ ایک سربراہ خاندان اپنی ذات میں بڑا نیک اور دیندار انسان ہے۔ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے، سود، رشوت، قمار اور دوسرے گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اچھی خاصی دینی معلومات رکھتا اور مزید معلومات حاصل کرنے کا شوقین ہے لیکن اس کے گھر کے دوسرے افراد پر نگاہ ڈالیئے تو اُن میں ان اوصاف کی کوئی جھلک خوردبین لگا کر بھی نظر نہیں آتی۔ دین، مذہب، خدا رسول قیامت اور آخرت جیسی چیزیں سوچ بچار کے موضوعات سے یک لخت خارج ہو چکی ہیں، ان کی بڑی سے بڑی عنایت اگر کچھ ہے تو یہ کہ وہ اپنے ماں باپ کے مذہبی طرزِ عمل کو گوارا کر لیتے ہیں اس سے نفرت نہیں کرتے لیکن اس سے آگے نہ وہ کچھ سوچتے ہیں نہ سوچنا چاہتے ہیں۔

کوئی شک نہیں کہ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اولاد کی مکمل ہدایت ماں باپ کے قبضہ قدرت میں نہیں ہے۔ نوح علیہ السلام کے گھر میں بھی کنعان پیدا ہو جاتا ہے

لیکن یہ فریضہ تو ہر مسلمان کے ذمہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی دینی تربیت میں اپنی پوری کوشش صرف کر دے اگر کوشش کے باوجود راہ راست پر نہیں آتے تو بلاشبہ وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہے لیکن اگر کوئی شخص اس مقصد کی طرف کوئی ادنیٰ توجہ ہی نہیں کرتا۔ اور اس نے اپنے تئیں دین پر عمل کر کے اپنے گھر والوں کو حالات کے دھارے پر بے فکری سے بہتا چھوڑ دیا ہے تو وہ ہرگز اللہ کے نزدیک بری نہیں ہے اس کی مثال بالکل اس احمق کی سی ہے جو اپنے بیٹے کو خودکشی کرتے ہوئے دیکھے اور یہ کہہ کر الگ ہو جائے کہ جوان بیٹا اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔

کنعان بلاشبہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کا بیٹا تھا اور آخر دم تک اس کی اصلاح نہ ہو سکی لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ اس کے جلیل القدر باپ نے اسے راہِ راست پر لانے کے لئے کیا کیا جتن کئے؟ کیسے کیسے پاپڑ بیلے؟ کس کس طرح خون کے گھونٹ پی کر اسے تبلیغ کی؟ اس کے بعد بھی اس نے اپنے لئے سفینہ ہدایت کے بجائے کفر و ضلالت کی موجیں ہی منتخب کیں تو بے شک حضرت نوح علیہ السلام اس کی ذمہ داری سے بری ہو گئے۔ لیکن کیا آج کوئی ہے جو اپنی اولاد کی اصلاح کے لئے فکر و عمل کی اتنی توانائیاں صرف کر رہا ہو۔

قرآن کریم نے ایک مسلمان پر صرف اپنی اصلاح کی ذمہ داری عائد نہیں کی۔ بلکہ اپنے گھر والوں، اپنی اولاد، اپنے عزیز و اقارب اور اپنے اہل خاندان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش بھی اس پر ڈالی ہے سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ احکام الٰہی پر کار بند کون ہوگا؟ لیکن آپ پر بھی نبوت کے بعد جو سب سے پہلا تبلیغی حکم نازل ہوا وہ یہ تھا کہ :-

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔

اور آپؐ اپنے قریبی خاندان کو (عذاب الٰہی) سے ڈرایئے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے آپؐ نے اپنے اہل خاندان کو کھانے کی دعوت پر جمع کیا اور کھانے کے بعد ایک موثر خطبہ دیا جس کے مندرجہ ذیل جملے روایات میں محفوظ ہیں۔

"اے فاطمہ بنت محمدؐ! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! مجھے اللہ کی طرف سے تمہارے حق میں کوئی اختیار نہیں۔ تم (میرے مال میں سے) جتنا چاہو مجھ سے مانگ لو۔

اے بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم جو چیز میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں مجھے عرب میں کوئی جوان ایسا معلوم نہیں جو اپنی قوم کے پاس اس چیز سے بہتر کوئی شے لایا ہو۔ میں تمہارے پاس اس چیز سے دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی طرف دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرے ہاتھ مضبوط کرے۔ اور اس کے نتیجے میں میرا بھائی بن جائے" (تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۳۵۱، المکتبہ التجاریہ مصر ۱۳۵۶ھ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی رہی ہے کہ انہوں نے اپنی تبلیغ کا آغاز اپنے گھر والوں سے کیا اور خود احکام الٰہی پر کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اہل خانہ کی دینی تربیت پر اپنی پوری توجہ صرف فرمائی حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کر کے جو وصیت فرمائی اس کا تذکرہ قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے۔

اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰھک والٰہ اٰبائک ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق الٰھا واحدا ونحن لہ مسلمون (البقرہ ۱۳۳)

"جب یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس ذات پاک کی پرستش کریں گے جس کی آپ کے آباؤ اجداد ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ پرستش کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود وحدہٗ لاشریک ہے اور ہم اسی کی عبادت اور اطاعت پر قائم رہیں گے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرماتے ہیں کہ

رَبِّ اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء (ابراہیم ۴۰)

"اے پروردگار مجھے بھی نماز کا پابند بنایئے اور میری اولاد کو بھی۔ اے ہمارے پروردگار! میری دعا قبول کر لیجئے۔"

انبیاء علیہم السلام کی ایسی ایک دو نہیں بیسیوں دعائیں منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اولاد اور اہل خاندان کی دینی اصلاح کی فکر ان حضرات کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں تمام مسلمانوں کو خود عذاب الٰہی سے بچنے کی تاکید فرمائی وہاں گھر والوں کو بھی اس سے بچانے کی ذمہ داری ان پر عائد کی ہے ارشاد ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا (تحریم ۶)

"اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔"

نیز ارشاد فرمایا: وأمر أهلك بالصلوٰة واصطبر عليها
"اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور (طٰہٰ: ۱۳۲)
خود بھی اس کی پابندی کرو"

قرآن و حدیث کے یہ واضح احکام اور انبیاء علیہم السلام کی سنتِ جاریہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایک مسلمان کے ذمے صرف اپنی ذات کی دینی اصلاح ہی نہیں ہے بلکہ اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں کی دینی تربیت بھی اس کے فرائض میں داخل ہے اور درحقیقت اس کے بغیر انسان کا خود دین پر ٹھیک ٹھیک کاربند رہنا ممکن بھی نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کا سارا گھر بار ماحول دین بیزار اور خدا ناآشنا ہو تو خواہ وہ اپنی ذات میں کتنا دین دار کیوں نہ ہو ایک نہ ایک دن اپنے ماحول سے ضرور متاثر ہوگا۔ اس لئے خود اپنے آپ کو استقامت کے ساتھ صراطِ مستقیم پر رکھنے کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اپنے گرد و پیش کو فکر و عمل کے اعتبار سے اپنا ہم مشرب بنایا جائے۔

آج ہمارے بگاڑ کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے اس فریضے سے یکسر غافل ہو چکے ہیں۔ بڑے بڑے دین دار گھرانوں میں نئی نسل کی دینی تربیت بالکل خارج از بحث ہو گئی ہے اور اگلے وقتوں کے لوگ "حالات کے آگے سپر ڈال کر اپنی اولاد کو زمانہ کے بہاؤ پر چھوڑ چکے ہیں۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ ہم نے تو اپنے اہلِ خانہ کو دینی رنگ میں رنگنے کی بڑی کوشش کی لیکن زمانے کی ہوا ہی ایسی ہے کہ ہمارے وعظ و نصیحت کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ مگر بعض اوقات یہ خیال شیطان کے دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا سوال یہ ہے کہ آپ نے کتنی لگن، کتنے اضطراب اور کتنی دل سوزی کے ساتھ یہ کوششیں کی ہیں اگر آپ کی اولاد جسمانی طور پر بیمار ہو جائے یا اس کا کوئی عضو خدا نہ کرے، آگ میں جلنے لگے تو آپ اپنے دل میں کتنی تڑپ محسوس کرتے ہیں، اور یہ تڑپ آپ سے کیسے کیسے مشکل کام کرا لیتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اپنی اولاد کو گناہوں میں مبتلا دیکھ کر کبھی کبھی آپ نے اتنی تڑپ محسوس کی ہے اگر واقعتہً اولاد کی دینی اور اخلاقی تباہی کو دیکھ کر آپ میں اتنی تڑپ پیدا ہوئی ہے جتنی اسے بیمار دیکھ کر ہوتی ہے اور آپ نے اسے دینی تباہی سے بچانے کی ایسی ہی کوشش کی ہے جتنی جسمانی ہلاکت سے بچانے کے لئے کرتے ہیں تو بلاشبہ آپ نے اپنا فریضہ ادا کیا۔

لیکن اگر آپ نے اپنے گھر والوں کی دینی تربیت میں اتنی لگن، ایسے جذبے اور اتنی کاوش کا مظاہرہ نہیں کیا تو کیا وجہ ہے کہ ایک معمولی سی آگ اپنے بچے کے قریب دیکھ کر آپ کے سینے پر سانپ لوٹ جاتے ہیں اور جہنم کی ابدی آگ جس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں اسے آپ اپنی اولاد کے سامنے منہ کھولے دیکھتے ہیں مگر آپ کی محبت و شفقت کوئی جوش نہیں مارتی؟ اگر آپ اپنے ننھے سے بچے کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول دیکھ لیتے ہیں، تو اس کے رونے دھونے کی پروا کئے بغیر جب تک اس کے ہاتھ سے وہ پستول نہیں چھین لیتے، چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ جب یہی اولاد آپ کو دینی تباہی کے آخری سرے پر نظر آتی ہے تو آپ صرف ایک دو مرتبہ زبانی وعظ و نصیحت کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی سنجیدگی اور اہتمام کے ساتھ اپنے گھر کی اصلاح کی موثر تدبیریں سوچی ہیں؟ جس لگن اور دلچسپی کے ساتھ آپ اپنی اولاد کے لئے روزگار تلاش کرتے ہیں کیا اتنی لگن کے ساتھ اس کی تربیت کے راستے تلاش کئے ہیں؟ جس خضوع وخشوع اور سوز قلب کے ساتھ آپ ان کی صحت کے لیئے دعائیں کرتے ہیں کیا اسی طرح کبھی آپ نے ان کے لیئے اللہ سے صراطِ مستقیم طلب کی ہے؟ اگر ان میں سے کوئی کام آپ نے نہیں کیا تو آپ کو اپنے اہل خانہ کی ذمہ داری سے سبکدوشی سمجھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

ان ساری گزارشات کا منشا صرف یہ ہے کہ نئی نسل جس برق رفتاری کے ساتھ فکری گمراہی اور عملی بے راہ روی کی طرف بڑھ رہی ہے اس کا پہلا موثر علاج خود ہمارے گھروں میں ہونا چاہیئے۔ اگر مسلمانوں میں اپنے گھر کی اصلاح کا خاطر خواہ جذبہ، اس کی سچی لگن اور اس کی حقیقی تڑپ پیدا ہو جائے تو یقین کیجئے کہ آدھی سے زائد قوم خود بخود سدھر سکتی ہے

اگر کوئی "دیندار" شخص یہ سمجھتا ہے کہ میری اولاد خدا بیزاری کی راہ پہ چل رہی ہے حقیقت میں اس کے لیئے وہی راہ درست ہے اور ہم نے اپنے گرد مذہب و اخلاق کے بندھن باندھ کر غلطی کی تھی تو ایسے "دیندار" کے حق میں تو دنیا و آخرت دونوں کے خسارے پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے! لیکن اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ کا دین دین برحق ہے اور مرنے کے بعد جزا و سزا کے مراحل پیش آنے ہیں تو پھر خدا کے لیئے اپنی اولاد کو بھی اس جزا و سزا کے دن کے واسطے تیار کیجئے، اسے ضروری تعلیم دلوایئے اس کے ذہن کی شروع ہی سے ایسی تربیت کیجئے کہ اس میں نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو، اس کی صحبت اور اس کا ماحول درست رکھنے کا اہتمام کیجئے اپنے گھروں کو تلاوتِ قرآن اور اسلافِ امت کے تذکروں سے آباد کیجئے، گھر میں کوئی ایسا وقت نکالیئے جس میں سارے گھر والے اجتماعی طور پر دینی کتب کا مطالعہ کریں۔ اپنے ذاتی عمل کو ایسا دلکش بنایئے کہ اولاد اس کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کرے۔ اپنے اہل وعیال اور اقارب واحباب کے حق میں اللہ تعالےٰ سے دعائیں کیجئے کہ اللہ تعالےٰ انہیں صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے اور رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے بعد بھی ہو سکتا ہے کہ چند مثالیں ایسی باقی رہ جائیں جو اپنی بدقسمتی کی وجہ سے اصلاح پذیر نہ ہو سکیں، لیکن یقین ہے کہ اگر اس مقصد کے لیئے اتنا اہتمام کر لیا گیا تو نئی نسل کی ایک بھاری اکثریت راہِ راست پر آ جائے گی۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کی محنت اور کوشش میں برکت دی ہے اور دین کی دعوت وتبلیغ میں جو محنت کی جائے اس کی کامیابی کا خصوصی وعدہ کیا گیا ہے۔

اس لئے

ناممکن ہے کہ اپنے گھر کی اصلاح کی یہ کوشش بالکل بار آور نہ ہو۔

(بشکریہ البلاغ کراچی)

(جناب حبیب الرحمٰن ایس ایچ ریٹائرڈ)

قیامت سے پہلے قیامت

اسلام کے عقائد خمسہ میں اللہ تعالےٰ پر ایمان کے بعد سب سے زیادہ اہمیت یوم آخرت پر ایمان کی ہے کیونکہ اس عقیدہ پر پختہ ایمان و یقین کے بغیر کسی کو بھی اپنے اعمال کی درستگی کی فکر کبھی لاحق نہیں ہو سکتی۔ دراصل عقیدۂ آخرت کے ذریعے نوع انسانی کی مکمل حفاظت اور نگہبانی کا ایک جامع نظام قائم کیا گیا ہے۔ اگر اطاعت شعاروں کو انعام اور سرکشوں کو سزا دینے کا کوئی وقت مقرر نہ ہو اور جزا اور سزا کا کوئی عالمگیر خدائی قانون نافذ کیا جائے تو نہ تو عدل و انصاف کے تقاضے ہی پورے ہو سکتے ہیں اور نہ تہذیب و تمدن ہی برقرار رہ سکتا ہے۔ انسانیت کی بقا کا انحصار بڑی حد تک اسی عقیدۂ آخرت میں مضمر ہے۔

لیکن قیامت کب برپا ہوگی اس کا علم کسی کو نہیں دیا گیا حدیث شریف میں ہے کہ قیامت ان پانچ میں سے ہے جنہیں اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ قیامت کی کچھ نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت کردہ ایک طویل حدیث میں ایسی نشانیوں کا تفصیل سے ذکر آیا ہے منجملہ دیگر آثار قیامت کے یہ بھی ہے کہ اس وقت جھوٹ کی کثرت ہوگی، حرام کو غنیمت سمجھا جائے گا، نمازوں کو پس پشت ڈال دیا جائے گا شہوتوں کی پیروی کی جائے گی، مکانوں کی بنیادیں مستحکم رکھی جائیں گی، مال بکثرت گانے بجانے پر خرچ کیا جائے گا یہ وہ زمانہ ہوگا جب ان کے پیٹ ان کے خدا ہوں گے۔ ان کی عورتیں ان کا قبلہ ہوں گی اور ان کے مال ان کا دین ہوگا ان کے درمیان لفظی اسلام و ایمان کے سوا کچھ باقی نہ ہوگا قرآن کا صرف درس ہوگا۔ مسجدیں معمور ہوں گی مگر دل ہدایت سے خالی ہوں گے۔

نیز فرمایا گیا کہ اس وقت انتظار کرنا چاہیے جب سرخ ہواؤں کے چلنے کا آسمان سے پتھر برسنے کا چہروں کے مسخ ہو جانے کا اور زمین کے دھنس جانے کا علاوہ ازیں آگ کو بھی ایک نشانی فرمایا گیا جو مشرق سے مغرب تک

پھیل جائے گی بعض کا خیال ہے کہ یہ شاید جنگ کی آگ ہو جو مشرقی ممالک سے شروع ہو، سنگ باری سے شاید بمباری ہے۔

بیت المقدس کی فتح بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ لوگوں کا قتلِ عام ہوگا۔ ماہِ رمضان میں ایک چیخ بلند ہوگی جمعہ کے دن ظہر کے وقت یہ آواز سوتوں کو جگا دے گی اور کھڑے ہوئے لوگوں کو بٹھا دے گی۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وہ آگ (قیامت) ان پر ایک دم سے آموجود ہوگی۔ پھر ان کو ہکا بکا کر دے گی نہ اس کو ہٹا سکیں گے نہ مہلت ہی مل سکے گی (سورۃ الانبیاء-۴۰)
ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ قیامت ہولناک چیز ہے اس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ دھنی ہوئی اُون کی طرح اڑتے پھریں گے (سورۃ المعارج ۸-۹)

کچھ عرصہ ہوا برطانیہ کے دو سائنسدانوں نے پیش گوئی کی ہے کہ مستقبل قریب میں کرۂ ارض کی سطح اور خلا میں ایسی تبدیلیاں ہونے والی ہیں جس سے کروڑوں انسان ہلاک ہو جائیں گے۔ شہاب ثاقب گریں گے فضا سے آگ برسے گی۔ چٹانیں گرمی کی شدت سے پگھل جائیں گی۔ ہولناک زلزلوں کی لپیٹ میں آجائیں گے جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور سمندری لہریں وسیع علاقوں میں تباہی مچا دیں گی۔

حال ہی میں امریکی رسالہ "نیوز ویک" میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں وسیع پیمانے پر ایٹمی جنگ چھڑ جانے پر قیامت خیز تباہی کا ایک جائزہ لیا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر روس اپنے ایس۔ ایس ۱۸ میزائلوں کو جب وسطی روس سے داغے تو اس کے نصف گھنٹے بعد ہی امریکہ کے چھ فوجی اڈوں میں موت اور تباہی کا بازار گرم ہو جائے گا۔ جو وارہیڈ زمین پر پھٹے گا اسے دو سو فٹ گہرا اور ایک ہزار فٹ چوڑا گڑھا پڑ جائے گا اس کے ارد گرد دو میل کے قطر میں حرارت اور دباؤ سے ہر قسم کے جاندار، عمارتیں وغیرہ جل کر خاک ہو جائیں گی نو میل کے قطر میں انسانی جسم جھلس جائیں گے عمارتوں کے ملبے سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑیں گے تیس میل تک جو لوگ موجود ہوں گے ان کی نظر دھماکے سے پیدا ہونے والے شعلوں پر پڑتے ہی بینائی شدید طور پر متاثر ہو جائے گی۔ یہ شعلے آٹھ میل تک فضا میں بلند ہوں گے۔ عام تہ خانوں میں بھی جان نہیں بچائی جا سکتی۔ تابکاری اثرات اس سے بھی زیادہ تباہی پھیلائیں گے۔ آدمی ان زہریلے اثرات سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مریں گے جسم کے اندر جریان خون شروع ہو جائے گا نہروں اور دریاؤں کا پانی بھی زہریلا ہو جائے گا خون کا سرطان پیدا ہوگا ایک سال تک زمین کاشت کے قابل نہ رہے گی جو علاقے تابکاری کی زد میں آئیں گے وہاں ہسپتال اور طبی امداد کا پہنچانا ممکن ہی نہ ہوگا۔ زخمی سسکتے ہی رہیں گے۔ چار پانچ ہفتوں کے بعد امدادی پارٹیاں وہاں داخل ہونے کی جرأت کر سکیں گی جبکہ لاکھوں افراد ہلاک ہو جائیں گے یہ محدود ایٹمی حملہ کا نتیجہ ہوگا لامحدود کی خبر خدا جانے کیا ہوگی۔

ایک اور مضمون جو لاہور کے مشرق میگزین میں شائع ہوا ایک سائنسدان نے اپنی تحقیق سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ قیامت کا منظر بھی سن ۱۹۸۲ء میں واقع ہو سکتا ہے اس کے کہنے کے مطابق مہیب زلزلے طوفان اور کوہ پیکر سمندری لہریں نظامِ شمسی کے تمام سیاروں کے سورج کے ایک سمت قطار میں آجانے کا نتیجہ ہوگا سینکڑوں میل لمبے اور بیسیوں میل چوڑے شگاف سطح زمین پر پڑ جائیں گے ہزاروں مربع میل علاقوں میں زندگی کا نام و نشان مٹ جائے گا ہزاروں شہر آتش فشاں پہاڑوں کے لاوے اور راکھ میں دفن

ہو جائیں گے۔ سمندری لہریں ساحلی بندرگاہوں کو بہا کر لے جائیں گی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ کم از کم آٹھ کروڑ انسان پہلے دن ہی ہلاک ہو جائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ قیامت سے پہلے اس قیامت کے برپا ہونے کے انجام سے بچنے کے لئے ہم کیا تیاری کر رہے ہیں؟ قرآن کریم میں ارشاد رب العالمین ہے کہ "لوگوں کے حساب کا وقت نزدیک آگیا اور وہ ابھی تک غفلت میں پڑے ہیں منہ پھیرے ہوئے (الانبیاء ۱)

اور رحمت اللعلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"لوگو! اللہ کو یاد کرلو۔ عنقریب قیامت کا زلزلہ پھر صور پھونکنے کا وقت آرہا ہے اور ہر شخص کی موت اپنی ساری سختیوں سمیت آرہی ہے" (مشکوٰۃ شریف)

لیکن انسان کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنی تباہی و ہلاکت کے منصوبے خود ہی تعمیر بھی کر رہا ہے محسوس بھی کرتا ہے مگر بے بس نظر آتا ہے۔ اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھے میں اس طرح گرتا چلا جا رہا ہے کہ نجات کی کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ آخر اس دکھی انسانیت کو اس بھیانک انجام سے بچانے کی کوئی نہ کوئی تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے کہ شفقت اور انسانی ہمدردی کا تقاضا یہی ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل اور بلند درجے والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرنے والے ہیں ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک روئے زمین پر اللہ اللہ کرنے والا ایک انسان بھی موجود ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس عالم کی بقا صرف اللہ کے مبارک نام لینے پر منحصر ہے جب اللہ کا نام لینے والا آخری بندہ بھی نہ رہے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ سورج بے نور ہو جائے گا ستارے جھڑ جائیں گے۔ آسمان لپیٹ دیا جائے گا۔ غرضیکہ سارا نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور یہی اس عالم کی اصل روح ہے زندگی کا دارومدار ہی ذکر اللہ پر ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جب قیامت قائم ہونے کا احساس ہو تو فوراً اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ اور بار بار کہتے رہنا سبحان القدوس ربنا القدوس جو ایسا کرے گا وہ نجات پا جائے گا اور جو ایسا نہ کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا اس سے بھی یہی نتیجہ نکلا کہ یاد الہٰی کرنے والوں کو ہی عافیت نصیب ہوگی۔ کیونکہ ذکر الہٰی ذاکر کو حیات غیر فانیہ بخش دیتا ہے جبکہ ذکر الہٰی سے غافل زندہ رہ کر بھی مردہ ہوتا ہے ایک حدیث شریف میں ہے کہ اگر غازی مشرکین اور کفار پر آہنی تلوار چلائے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون میں رنگ جائے تب بھی ذکر کرنے والا اس سے درجہ میں زیادہ ہے۔ ایک اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل اور بلند درجے والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرنے والے ہیں۔

ہمیں موت اچانک کسی وقت بھی آسکتی ہے۔ لہٰذا ہر وقت ذکر الہٰی جاری رکھنے کی عادت ڈالنے کی کوشش کرنا ضروری ہے تاکہ جب بھی ملک الموت آجائے تو ہمیں غافل نہ پائے۔ ذکر الہٰی جاری زبان سے جاری ہو۔ سانس اور قلب سے بھی جاری ہو اور روح میں اسم الہٰی کے باعث تازگی ہو جس جسم و روح میں ذکر الہٰی جاری ہوگا اسے انشاء اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ نہ جلا سکے گی۔

صاحبزادہ قاری کفایت احمد نوری

شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال کے بعد دین کے احیاء کے لیے جو چند نام آتے ہیں ان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نام سرفہرست ہے جس سے رہتی دنیا تک علم و فضل کی کرنیں پھوٹتی رہیں گی اور جن سے مسلمانانِ عالم فیض حاصل کرتے رہیں گے۔ آپ کا نام نامی اسمِ گرامی احمد تھا۔ والد بزرگوار کا نام عبد الاحد تھا۔ سلسلۂ نسب انتالیس واسطوں سے حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفۂ دوم تک پہنچتا ہے اس نسب اقدس اور نسبت خاص پر حضرت مجدد الف ثانی کو ناز تھا اور انہوں نے اس سلسلہ میں ہمیشہ فخر فرمایا جس کی صداقت کے لیے ان کے مکتوبات ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد میں بڑے بڑے علمائے کرام اور مشائخ عظام گزرے ہیں جنہوں نے اپنے خالص صالح عمل اور رشد و ہدایت کے ذریعے پرچمِ اسلام کو سربلند کیا اور جن کے دینی اور تبلیغی کارنامے آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم عبد الاحد مشہور عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ سلسلۂ چشتیہ میں ایک صاحبِ نسبت درویش تھے وہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے خلیفۂ مجاز تھے اور طریقہ قادریہ میں بھی آپ کو صاحبِ اجازت ہونے کا اعزاز حاصل تھا آپ اپنے مریدوں کو فیوضِ باطنی سے سیراب فرماتے اور کتب ہائے منقولات اور معقولات کا بھی درس دیتے تھے آپ کے آباؤ اجداد کا قدیم وطن مدینہ طیبہ تھا۔ مگر بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر وہ کابل میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کابل میں چند بزرگ جو تھے وہ ہندوستان تشریف لائے اور انہوں نے سرہند کو اپنے لیے پسند فرمایا۔ انہی بزرگانِ کرام میں سے ایک بزرگ کے سلسلۂ نسب میں حضرت مجدد صاحب کا شمار ہوتا ہے۔ وہ سرہند شریف میں پیدا ہوئے اور یہ سرزمین آج تک آپ کے مولد ہونے پر فخر کرتی ہے۔ سرہند اس زمانے میں ایک بڑا شہر تھا۔ لیکن اب اسے صوبۂ پنجاب ریاست پٹیالہ میں محض ایک قصبہ کی سی حیثیت حاصل ہے حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے اس شہرِ مقدس کی عظمت اور برکت کا ذکر اکثر مقامات پر فرمایا۔ حضرت مجدد کی ولادت باکرامت یوم جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ آدھی رات کو ہوئی پیدائش سے قبل آپ کے والد محترم نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا کہ تمام دنیا میں

تاریکی کا دور دورہ ہے۔ ہر طرف ظلمت پھیلی ہوئی ہے۔ بندر اور سیچھ اور سور عوام الناس کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یکا یک میرے سینے سے ایک نور نکلا جس سے ایک تخت ظاہر ہوا۔ اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے سامنے تمام ملحدوں، ظالموں اور زندیقوں کو بکریوں کی مانند ذبح کیا جا رہا ہے اور کوئی شخص بڑی پرزور آواز میں کہہ رہا ہے کہ حق آگیا ہے اور باطل مٹ گیا بیشک باطل مٹنے والی چیز ہے
اس خواب کو دیکھنے کے بعد حضرت مخدوم نے سلسلہ قادریہ کے پیرزادہ اور بڑے باکمال بزرگ شاہ کمال کیتھلی سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی انہوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ تمہارے گھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے الحاد و کفر اور بدعت کی ظلمت ختم ہوگی سالیان کی قندیل روشن ہوگی۔ چنانچہ اس سچے خواب کی صحیح تعبیر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شکل میں سامنے آئی جب حضرت کا سن شریف تعلیم حاصل کرنے کے مرحلہ تک پہنچا تو آپ کے والد بزرگوار نے آپکو مکتب میں داخل کیا اور وہاں آپ نے ایک قلیل مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا جس کے بعد ایک عرصہ تک والد صاحب سے تعلیم حاصل کرتے کا سلسلہ جاری رہا اور تصوف کی مشہور کتابیں تعرّف اور عوارف المعارف اور فصوص الحکم وغیرہ پڑھیں جن کے مطالعہ اور استفادہ نے حضرت مجدد پہ گہرا اثر چھوڑا اور آپ تاحیات تصوف کی اعلیٰ اقدار سے روشناس رہے۔ والد صاحب کی رہنمائی کے بعد آپ سیالکوٹ تشریف لے گئے جہاں ایک اہل فضل و کمال مولانا کمال کشمیری صاحب سے معقولات کا درس لیا کتب حدیث کی سند حضرت شیخ یعقوب کشمیری صاحب سے لی جو اپنے وقت کے کامل اور مستند محدث تھے ان سے آپ نے طریقہ کبرویہ اخذ کیا اس کے علاوہ اس زمانے کے ایک مقدس عالم دین حضرت قاضی بہلول بدخشانی سے حسب ذیل کتب کا درس لیا اور سند حاصل کی۔ امام واحدی کی تفسیر، تفسیر وسیط، اسباب النزول قاضی بیضاوی کی تفسیر، صحیح بخاری اور دوسری تصنیفات مثلاً منہاج الوصول اور الغایۃ القصوی وغیرہ کے ساتھ ساتھ دوسری تالیفات مثال کے طور پر ثلاثیات، ادب المفرد، افعال العباد، مشکوٰۃ المصابیح اور شمائل، ترمذی، قصیدہ بردہ وغیرہ غرضیکہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ہر علم و فن کو ممتاز اور مستند اساتذہ سے حاصل کیا۔

سب سے پہلے آپ نے اپنے والد ماجد کے دست مبارک پر بیعت کی اور طریقہ چشتیہ میں داخل ہو کر اس کا سلوک تمام کیا اس کے بعد طریقہ قادریہ بھی اخذ کیا اس طریقہ میں بھی اپنے والد محترم سے بیعت کی اور طریقہ چشتیہ میں داخل ہو کر اس کا سلوک تمام کیا اس کے بعد طریقہ قادریہ بھی اخذ کیا اس طریقہ میں بھی اپنے والد محترم سے بیعت کی اور انہی کی زیر نگرانی تعلیم کے مراحل بھی طے کئے خرقہ خلافت حضرت شاہ کمال کیتھلی سے حاصل ہوا سترہ برس کی عمر میں آپ جامع کمالات ظاہری و باطنی کی حیثیت سے اپنے والد صاحب کی موجودگی میں کتب درسیہ کی تعلیم میں مشغول ہوگئے اور طریقہ کی تلقین و تبلیغ کی طرف بھی باقاعدہ توجہ دینے لگے۔

درس و تدریس، تعلیم و تبلیغ کے اس دور میں سلسلہ کبرویہ کے ایک مشہور و معروف ولی اللہ حضرت مولانا یعقوب صرفی سے آپ نے اس طریقے کے حصول کا فخر حاصل کیا۔ اسی دوران آپ آگرے تشریف لے گئے بعض جید اور قابل ذکر علماء سے ملاقات ہوئی اس مقام پر ابوالفضل اور فیضی سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا طریقہ نقشبندیہ کی طلب ایک عرصے سے آپ کے ذہن و فکر بلکہ روح پر پوری طرح مسلط تھی اور بڑھتے بڑھتے یہ سلسلہ عشق کی منزلوں تک پہنچ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ حج کرنے کا شوق بڑی شدت سے دامن گیر تھا۔ اور آپ جلد از جلد اس کی تکمیل کے آرزومند تھے لیکن اپنے والد ماجد کی خدمت کا خیال بھی بدرجہ کمال تھا۔ ۱۰۰۷ھ میں جب آپ کے والد ماجد نے اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا تو آپ حج کے ارادے سے سرہند شریف سے روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچنے پر حضرت مولانا حسن کاشمیری صاحب جن سے آپ کی پہلے سے جان پہچان تھی۔ ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو تذکرہ کے طور پر مولانا نے حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا اور ان کے مناقب بھی بیان کیے آپ کو پہلے ہی سے سلسلۂ نقشبندی سے نسبت حاصل کرنے کی خواہش تھی حضرت مولانا حسن کاشمیری سے خواجہ کا ذکر سنکر جذبات بے قابو ہو گئے۔ اور اشتیاق ملاقات سے سرشار ہو کر والہانہ طور پر خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے حضرت خواجہ نے انتہائی شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا

حضرت خواجہ باقی باللہ کا مزاج انتہائی دیر آشنا تھا وہ جلد بے تکلفی کو پسند نہ فرماتے تھے لیکن خلافِ مزاج حضرت مجدد سے پہلی ہی ملاقات میں بڑی قربت اور محبت سے پیش آئے اور دوران گفتگو حج کا ارادہ سنکر بڑے خلوص سے فرمایا کہ ادائیگی حج حقیقت میں سعادت دارین ہے۔ لیکن اگر کوئی عذر نہ ہو تو کم از کم ایک مہینہ یا ایک ہفتہ یہاں قیام کریں حضرت مجدد نے جناب خواجہ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے بلا عذر اس بات کو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیا۔ ابھی خواجہ کی صحبت میں صرف تین چار ہی روز کا عرصہ ہوا تھا کہ حضرت خواجہ کی محبت اس تیزی سے آپ پر اثر انداز ہوئی کہ آپ کو ان کے مرید ہونے کا شوق پیدا ہو گیا حضرت خواجہ نے بھی خلاف معمول بغیر استخارہ کئے فوراً آپ کو اپنے سلسلے میں داخل کر لیا اور خلوت میں طلب کر کے توجہ فرمانے لگے۔

قلب پہلے ہی سے متوجہ تھا اس لئے روز بروز بلکہ لمحہ بہ لمحہ باطنی کیفیت میں ترقی ہوتی گئی حضرت مجدد نے کوئی ڈھائی مہینے دہلی میں قیام فرمایا اور اس قلیل عرصہ میں آپ کو نسبت نقشبندی پورے طور پر حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت امام ربانی دوبارہ سرہند سے تشریف لائے اور اپنے مرشد کامل کی صحبت سے فیضیاب ہوئے یہ تین صحبتیں آپ کو کامل اور اکمل بنانے کے لئے کافی ہو گئیں۔ پہلی ملاقات میں حضرت خواجہ نے خوشخبری دی کہ تم کو نسبت نقشبندیہ پورے

طور پر مل گئی ہے اور قرب الٰہی دن بدن ترقی کرے گا۔ دوسری مرتبہ خلافت کی خلعت سے سرفراز کیا۔ طالبان طریقت کو رشد و ہدایت کی اجازت فرمائی۔ پھر اپنے مخصوص ترین اصحاب کی تعلیم و طریقت آپ کے سپرد کی۔ تیسری بار حضرت خواجہ نے بڑی بڑی عظیم بشارتیں دیں اپنے حلقہ توجہ میں سر حلقہ بٹھایا اور بآواز بلند مریدوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہوا کرے اور رخصت کے وقت فرمایا کہ اب کمال کمزوری مجھ پر غالب ہے زندگی کی امید کم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ عبید اللہ اور حضرت خواجہ عبد اللہ کی طرف اپنی موجودگی میں فرمایا کہ ان کی طرف بھی غائبانہ توجہ دیجئے چنانچہ ارشاد خواجہ کے پیش نظر حضرت امام ربانی نے توجہ دی اور توجہ کے اثرات اسی وقت سے رونما ہونے لگے۔ حضرت امام ربانی جب تیسری مرتبہ خواجہ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا جب میں نے ہندوستان آنے کے سلسلے میں استخارہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ایک خوب صورت طوطی میرے ہاتھ پر بیٹھ گیا جو بہت اچھی باتیں کرتا ہے۔ میں اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال رہا ہوں اور وہ اپنی چونچ سے میرے منہ میں شکر دے رہا ہے۔ میں نے جب اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ امکنگی سے یہ واقعہ بیان کیا تو حضرت نے فرمایا کہ طوطی ہندوستان کا پرندہ ہے۔ ہندوستان میں تمہاری تعلیم و تربیت کے نتیجے میں کوئی ایسا شخص ظاہر ہوگا جس سے ایک روشن و تابندہ ہو جائے گا اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔ حضرت خواجہ نے اس خواب کی تعبیر کا مصداق حضرت مجدد کو قرار دیا اور فرمایا کہ جب میں شہر سرہند پہنچا تو مجھے پتہ چلا کہ میں ایک قطب کے پڑوس میں اترا ہوں اس قطب کا پورا حلیہ بھی مجھے بتایا صبح کو جتنے بھی درویش اور باکمال لوگ سرہند میں تھے سب سے ملاقات کی لیکن اس حلیے کا نشان دہی نہ ہوسکی اور قطبیت کا کوئی خیال کسی شخصیت میں نہ پائی۔ چنانچہ یہ خیال ہوا کہ شاید اس شہر میں آئندہ کوئی ایسا شخص پیدا ہوگیا لیکن جب تم پر نظر پڑی تو تمہارا حلیہ بالکل وہی تھا اور تم میں قطبیت کی وہ صفت بھی موجود ہے جو میرے ذہن میں محفوظ تھی۔ اور مجھے محسوس ہوا تھا کہ اس کی روشنی ہر لمحہ اور لحظہ بلحظہ بڑھ رہی ہے۔ لوگ اس سے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ یہ اشارہ بھی تمہاری جانب تھا۔ پیر کی جانب سے مرید کی اتنی تعریف حضرت مجدد الف ثانی کے لیے نشانِ سعادت ہے۔ حضرت امام ربانی فی الحقیقت ظاہری و باطنی صوری، معنوی ہر قسم کے کمالات کا مظہر تھے اور رب العزت نے آپ کو کامل اکمل کائنات ارضی پر بھیجا تھا۔ حضرت کا قد متوسط تھا چہرہ انور کا رنگ گندم گوں مائل بہ سفیدی بیان کیا گیا ہے ڈاڑھی میں کافی بال تھے آنکھیں بڑی بڑی اور پیشانی کشادہ تھی۔ چہرہ پر ولی ہونے کی علامات ظاہر تھیں۔ ملائمت کے ساتھ رعب و دبدبہ کے نقوش نمایاں تھے مجموعی طور پر

انتہائی رعب و شکیل تھے ۔ آپ شریعت کے حد درجہ پابند اور پیروی سنت کے بے حد دلدادہ تھے اور بدعتوں سے آپ کو سخت نفرت تھی ۔ ذرا ذرا سی باتوں میں اتباع سنت کو ملحوظ خاطر رکھتے حتیٰ کہ کھانے پینے ، چلنے پھرنے ، اٹھنے بیٹھنے غرض کسی چیز میں کوئی عمل خلافِ سنت نہ ہوتا ۔

آپ کی شانِ ریاضت و عبادت نہایت بلند و اعلیٰ تھی اور ہر اعتبار سے ایک غیر معمولی حیثیت کو ظاہر کرتی تھی جس کا ذکر اور جس کی تعریف آپ کے مرشد مکرم حضرت خواجہ باقی باللہ فرمایا کرتے تھے ۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد ، اشراق ، چاشت نوافل اور مغرب اوابین کے سخت پابند تھے ۔ شروع شروع میں تو ان نوافل میں سورہ یٰسین کا ورد فرماتے جن کی تعداد اسی تک پہنچ جاتی مگر بعد میں ختم قرآن کا معمول بن گیا تھا ۔ سنت عصر اور سنتِ قبل عشاء ہمیشہ پابندی کے ساتھ ادا کرتے اوراد و دعائیں جو خاص اوقات کے لیے احادیث میں وارد ہوئی ہیں ہمیشہ بطورِ خاص ورد فرماتے ۔ تہجد کی ادائیگی کے لیے آدھی رات بیدار ہو جانا معمولات میں داخل تھا ۔ ہر دو رکعت کے بعد تیسرا استغفار اور درود شریف پڑھ کر دعا کے بعد مراقبہ کیا کرتے تھے یہ سلسلہ فجر تک قائم رہتا تھا فجر کی نماز باجماعت پڑھتے اور اس کے بعد اشراق تک اپنے دوستوں کے ساتھ مراقبے میں رہتے ۔ قرآن پاک کے ساتھ آپ کا شغف شاہانہ تھا خود بھی تلاوت کرتے اور حلقے کے دوران کسی حافظ سے بھی سنتے تھے اگر کوئی قاری خوش الحان آ جاتا تو گھنٹوں اس سے قرأت کا لطف اٹھاتے ۔ بلند

تقریباً سو علماء و صلحاء و حفاظ کو آپ کے باورچی خانہ سے طعام دیا جاتا تھا ۔ نماز چاشت کے بعد جو فقراء خانقاہ میں موجود ہوتے ان کو کھانا دیا جاتا اور خود بھی اسی وقت تھوڑی سی مقدار میں کچھ نوش فرماتے اور قیلولہ کرتے ۔ رمضان کا ماہِ مبارک اگر حالتِ سفر میں آ جاتا تو بھی معمول میں کمی نہ ہوتی ۔ رمضان المبارک کے روزوں کا خاص اہتمام کرتے پورے مہینے تراویح پڑھتے ۔ تراویح میں کم از کم ایک قرآن ضرور ختم ہوتا بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے ۔ زکوٰۃ کے سلسلے میں بہت محتاط تھے سالانہ آمدنی میں سے مستحقین کو وقتاً فوقتاً دیتے رہتے تھے ۔ حج کی ادائیگی ہر وقت آپ کے پیشِ نظر رہتی مگر کبھی علالت کی کبھی کسی ناگزیر حالات کی بنا پر تکمیل ادائیگی سے قاصر رہتے ۔ حقوق العباد کے ادا کرنے میں ہمیشہ اولیت فرماتے ۔ بیماروں کی عیادت فرماتے اور جنازوں میں شریک ہوتے ۔ اہل و عیال کی دیکھ بھال صاحبزادوں اور مریدوں کی تعلیم و تربیت علوم شرقیہ کا زبانی اور کتابی درس پھر اپنے نفس کے حقوق ان سب امور کو روزانہ بحسن خوبی انجام دیتے آپ علم و عمل کے میدان میں بھی ایک بلند اور اہم مقام رکھتے تھے ۔ باوجود علم و عمل کے آپ حنفی عقائد اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے علم و اجتہاد کی بلندی ان کے ورع اور عبادت کی برتری و بزرگی کے حد درجہ معترف تھے ۔ آپ کے علم و عمل کی تعریف آپ کے مرشد حضرت باقی باللہ نے اکثر اپنی زبان مبارک سے بڑے زوردار الفاظ میں فرمائی ہے ۔

آپ بے باک، نڈر اور حق گو تھے اور ایمان و حق کی راہ میں بڑے سے بڑے خطرے کو خاطر میں نہ لاتے نہ کسی ملامت کا خوف، کسی ایذا کا ڈر آپ کے راستے میں حائل نہ ہو سکتا۔ اس سلسلہ بیان میں شہنشاہ جہانگیر کا ذکر بھی ضروری ہے جہانگیر نے جب حضرت مجدد کے مخالفوں، بے دینوں اور مفسدوں کے بھڑکانے پر جنہوں نے بادشاہ کے سجدے کو ضروری قرار دیا تھا۔ امام ربانی کو طلب کیا اور سجدے کا حکم دیا، تو آپ نے اس حکم کی تعمیل کرنے سے قطعاً انکار کر دیا اور بآواز بلند ارشاد فرمایا کہ از روئے شرع محمدی سجدہ صرف خدائے عزوجل کے لئے مخصوص ہے اس سے بڑھ کر نادانی و بے وقوفی اور کیا ہو گی کہ ایک شخص اپنے ہی جیسے معذور و محتاج شخص کو سجدہ کرے حضرت امام ربانی کے یہ الفاظ جہانگیر کی برہمی کا سبب ہوئے اور اس نے انتہائی غیظ وغضب کی حالت میں آپ کے قتل کا حکم صادر کر دیا بغیر کچھ سوچ کر غیر محدود وقت کے لئے قید میں ڈلوا دیا۔ قید سے رہائی کا واقعہ آپ کی روشن اور نمایاں کرامت ہے۔ کچھ ہی دنوں بعد جہانگیر نے خواب دیکھا کہ سرکار دو عالم انتہائی افسوس کے ساتھ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا۔ اس خواب کے بعد آپ فوراً رہا کر دیئے گئے۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ گردن نہ جھکی جن کی جہانگیر کے آگے۔ اور وہی بادشاہ جس کے غرور و دیوانگی کی یہ کیفیت تھی کہ خود کو قابل سجدہ سمجھتا تھا۔ آخری عمر میں بار بار کہتا کہ میں نے اس دنیا میں کوئی ایسا کار نمایاں نہیں انجام دیا جس سے نجات ہو سکے البتہ میرے پاس ایک دستاویز ضرور ہے جو پروردگار عالم کے حضور پیش کروں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک دن مجھ سے حضرت شیخ احمد سرہندی نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اگر ہم کو جنت میں لے جائے گا تو بغیر تیرے نہ جائیں گے اور شاید حضرت امام ربانی ہی کا فیض تھا کہ جہانگیر کے سبب سے شاہجہان جیسا دیانتدار اور اس کے بعد اورنگ زیب جیسا جامع کمالات انسان پیدا ہوا حضرت کے مکتوبات کے علاوہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے مکاتیب میں بھی حضرت امام ربانی کے باطنی کمالات کا بھرپور تذکرہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں قیامت تک ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو دین کی امانت کے محافظ ہوں گے۔ مکتوبات قدسیہ کے مطالعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت امام ربانی نے دین مبین کی سربلندی کے لئے کیا جدوجہد فرمائی اور اس میں آپ کو کس قدر شغف اور کیسا انہماک تھا۔ حضرت امام ربانی سے قبل ہر صدی کے مجدد ہوتے تھے آپ دوسرے ہزار سالہ دور کے مجدد تھے آپ کی مجددیت کے تمام گوشوں کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو صرف کسی ایک شعبے کا مجدد نہیں بنایا تھا بلکہ آپ کو دین کے تمام شعبوں پر حاوی کیا حضرت مجدد الف ثانی نے چار قابل تذکرہ فرزند چھوڑے حضرت خواجہ محمد صادق حضرت خواجہ محمد سعید حضرت خواجہ محمد معصوم حضرت خواجہ شاہ محمد یحییٰ جن کے فیض و برکات ہمیشہ جاری و ساری رہیں گے۔ ان کے علاوہ حضرت کے تین فرزند شیخ محمد فرخ شیخ محمد عیسیٰ شیخ محمد اشرف بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے حضرت کے خلفا میں حضرت محمد صادق حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم جامع کمالات کے حامل بزرگ گزرے ہیں حضرت امام ربانی نے مذہبی اصلاح تصوف ترویج شریعت کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں انہیں کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا حضرت کی تصنیفات کا عظیم سرمایہ بھی موجود ہے مکتوبات معارف لدنیہ، شرح رباعیات، رسالہ رد روافض، رسالہ مبدا و معاد

(باقی صفحہ 15)

تعلیمات

حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

ام امین - ایم ۔ اے

زعمائے اسلام کی یاد تازہ کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان افکار و اعمال کی یاد تازہ کی جائے جن کی وجہ سے وہ عام مسلمان کی سطح سے ابھر کر ان بلندیوں تک پہنچ کر زندہ جاوید ہو گئے اور یاد منانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی فکری اور عملی زندگی کا جائزہ لے کہ جن عظیم ہستیوں سے اپنی نسبت کا دعویٰ کرتا ہوں ان کا رنگ میرے نظریات اور اعمال سے کہیں جھلکتا ہے یا نہیں اگر اس کا سراغ ملے تو اسے اور بڑھائے اور پختہ کرے اور اگر خدانخواستہ یہ پہلو غفلت کے ملبے کے نیچے دب گیا ہے تو اسے کرید کر باہر لائے اور تلافی مافات کی کوشش کرے اس مقصد کے پیشِ نظر حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات کا کچھ تھوڑا سا حصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

توحید! توحید سے مراد یہ ہے کہ دل اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور کی طرف توجہ کرنے سے بالکل خالی ہو جائے جب تک دل ماسوا کے حق میں گرفتار ہے اگرچہ بہت ہی تھوڑا سا ہو وہ شخص توحید والوں میں سے نہیں ہے۔

خلقتِ انسانی سے مقصود بندگی کے وظائف کو ادا کرنا اور حق تعالےٰ کی طرف کامل طور پر متوجہ ہونا ہے اور یہ مطلب اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ ظاہری اور باطنی طور پر سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل تابع داری نہ کریں۔

حق تعالےٰ کے سوا جو کچھ مقصود ہے وہ ہی معبود ہے غیر کی عبادت سے اس وقت نجات ملتی ہے جبکہ حق تعالےٰ کے سوا کچھ مقصود نہ رہے۔

شرک:

جب آپؐ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو پھر عورتوں کی بیعت شروع فرمائی۔ بیعت کی شرط اول یہ تھی کہ حق تعالےٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہے میری اُمت میں شرک اس چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جو اندھیری رات میں کالے

پتھر پر چلتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا شرک اصغر سے بچو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا شرک اصغر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "ریاء"۔ فرمایا شرک وکفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے۔ اور شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا اہل شرک میں سے ہے وہ اسلام اور کفر کے مجموعہ احکام پر عمل کرنے والا ہے کفر سے بیزار ہونا اسلام کی شرط ہے اور شرک سے پاک ہونا توحید کا نشان ہے۔

تمام انبیاء کرامؑ کی متفقہ تعلیمات میں سے ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اور کوئی مخلوق کسی دوسری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب نہ بنائے۔

اے برادر! سجدہ جو پیشانی کو زمین پر رکھنے کا نام ہے اس میں نہایت ذلت وانکسار پایا جاتا ہے اور یہ کامل درجہ کی عاجزی وفروتنی کو شامل ہے اس لئے اس قسم کی تواضع اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہے شریعت مقدسہ نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیئے اسے جائز نہیں رکھا منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ کسی راستہ پر تشریف لے جا رہے تھے ایک اعرابی نے حاضر ہو کر معجزہ طلب کیا تاکہ ایمان لائے فرمایا کہ اس درخت کو جا کر کہو کہ تجھے رسول اللہؐ بلاتے ہیں درخت یہ سن کر اپنی جگہ سے چلا اور آپ کی خدمت میں آیا۔ وہ اعرابی یہ حال دیکھ کر اسلام لے آیا۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اجازت ہو تو میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپؐ نے فرمایا خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں اگر حق تعالیٰ کے سوا غیر کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو کہتا کہ وہ مردوں کو سجدہ کریں۔

نبوت: ہمارے پیغمبرؐ جو تعداد میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب گزرے ہیں سب نے مخلوق کو خالق کی عبادت کرنے کی تبلیغ فرمائی ہے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور عاجز جانتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وہیبت سے ڈرتے اور کانپتے رہے۔

تمام انبیاء کے خاتم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کا دین گزشتہ تمام دینوں کا ناسخ ہے۔ اور آپ کی کتاب تمام گزشتہ کتابوں سے بہترین ہے آپ کی شریعت منسوخ نہ ہوگی بلکہ قیامت تک رہے گی حضرت عیسیٰؑ نزول فرما کر آپ کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ کے امتی ہو کر رہیں گے۔

فضائل صحابہؓ:

جاننا چاہیئے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابؓ سب کے سب بزرگ ہیں اور سب کا ذکر احترام سے کرنا چاہیئے۔

زبان نبویؐ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے اصحاب کو پسند فرمایا اور ان میں سے بعض کو میرے لئے قرابت دار اور مددگار پسند فرمایا پس جس شخص نے ان کے بارے میں مجھے محفوظ رکھا اس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور جس نے ان کے حق میں مجھے ایذا دی اس کو اللہ نے ایذا دی۔

فرمایا: من سبّ اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔

فرمایا: میری امت میں سے برے وہ لوگ ہیں جو میرے اصحابؓ پر دلیر ہیں۔

اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہئے کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل واجتہاد پر مبنی تھیں نہ کہ ہوا و ہوس پر یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

فرمان نبوی۔ ایاکم وما شجر بین اصحابی۔ جو اختلاف میرے اصحاب کے درمیان ہوا ہے تم اس سے بچو۔ نیز آپ کے تمام اصحاب کو بزرگ جاننا چاہیے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگمان نہ ہونا چاہیے فلاح و نجات کا طریق یہی ہے۔ کیونکہ اصحاب کرام کی دوستی آپ کی دوستی کے باعث ہے۔ کسی بزرگ کا مقولہ ہے:

"ما امن برسول اللہ من لم یؤقر اصحابہ"

سنا گیا ہے کہ شہر سامانہ کے خطیب نے عید قربان کے خطبہ میں خلفائے راشدین کے ذکر کو ترک کر دیا ہے اور ان کے مبارک اسماء کو نہیں پڑھا ہے اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ جب لوگوں نے اس سے اس بارے میں تعرض کیا تو بجائے اس کے کہ اپنے سہو و نسیان کا عذر کرتا سرکشی پر اتر آیا اور کہا کہ اگر خلفائے راشدین کے ناموں کا ذکر نہیں ہوا تو کیا ہوا۔ اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ اس جگہ کے رئیسوں اور معزز لوگوں نے اس بارے میں بہت سستی کی اور اس ناانصاف خطیب سے سختی اور درشتی سے پیش نہیں آئے۔ ہائے افسوس صد افسوس۔

خلفائے راشدین کا ذکر اگرچہ خطبہ کی شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہل سنت کے شعائر میں سے ہے سوائے اس شخص کے جس کا دل بیمار اور باطن پلید ہو اور کوئی شخص دانستہ اور سرکشی کے طور پر اس کو ترک نہیں کرے گا۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ اس نے تعصب اور بغض و دشمنی سے ترک نہیں کیا مگر حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم کا کیا جواب دے گا۔ اور حدیث اتقوا من مواضع التھم کے موافق تہمت کے مواضع میں سے کس طرح چھٹکارا پائے گا۔ اگر اس کو شیخین کی تقدیم و تفضیل میں توقف ہے تو وہ اہل سنت کے طریقہ سے روگردانی کرنے والا ہے اور اگر حضرت ختنین کی محبت میں تردد ہے تب بھی وہ اہل حق سے خارج ہے۔

اہل بیت کی محبت اہل سنت کے ایمان کا جزو ہے

اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جا سکتا ہے جبکہ یہ محبت ان کے بزرگوں کے نزدیک ایمان کا جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے۔ اس فقیر کے والد بزرگوار جو کہ ظاہری و باطنی علوم کے عالم تھے فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے اس کی بڑی رعایت کر لینی چاہیے ان کے مرض الموت میں فقیر ان کی محبت اہل بیت کو یاد دلایا تو انہوں نے فرمایا میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں۔ اس وقت میں اللہ کا شکر بجالایا اہل بیت کی محبت اہل سنت و جماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالف لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان حد وسط ہے جو حق کا مرکز اور صدق کا موطن ہے اور اہل سنت و جماعت کو نصیب ہوا ہے۔

سنت و بدعت: سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزند عزیز اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ سنت کی تابعداری کریں اور بدعت ناپسندیدہ سے اجتناب کریں۔ اسلام کی رسمیں جبھی قائم رہ سکتی ہیں جبکہ سنت کو جاری کیا جائے اور بدعت کو دور کیا جائے۔ سنت عہد نبوت سے دوری کے سبب پوشیدہ ہو گئی ہے اور بدعت جھوٹ کے پھیل جانے کی وجہ سے جلوہ گر ہو رہی ہے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کا باعث ہے۔

نبی کریم کا یہ فرمان آپ نے سنا ہوگا۔ من وقر صاحب البدعۃ

فقد اعان علی ھدم الاسلام"

گزشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہو گا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن سمجھا ہے لیکن یہ فقیر ان کے ساتھ اس مسئلہ میں متفق نہیں ہے اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل بدعۃ ضلالۃ۔ اسلام کے اس ضعف و غربت کے زمانے میں جبکہ سلامتی سنت کے بجا لانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے پر لاحق ہے اور ہر بدعت کو بیخ کن تیشے کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گراتی ہے اور سنت کو چمکنے والے ستارے کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں راستہ دکھاتی ہے حق تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرات نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں خواہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو گزشتہ زمانے میں چونکہ اسلام قوی تھا اس لئے بدعات کی ظلمات کو اٹھا سکتا تھا اور شاید بعض بدعتوں کی ظلمات نور اسلام کی روشنی میں بعض اشخاص کو نورانی معلوم ہوتی ہوں گی مگر اس وقت جب اسلام ضعیف ہے بدعتوں کی ظلمات کو نہیں اٹھا سکتا۔

اور جو کام کرنا چاہیے تھا وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہو گیا۔ اب اس کے سوا کوئی اور آرزو باقی نہیں رہی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی جائے میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایک شب بھولے سے بائیں پہلو پر لیٹ گیا پھر مجھے یاد آیا کہ سونے میں ابتداء دائیں پہلو سے کرنا سنت احتیاجی ہے جو ترک ہو گئی نفس نے کاہلی کی کہ جو چیز سہو و نسیان سے سرزد ہو جائے وہ معاف ہے لیکن میں فوراً اٹھا اور پھر دائیں پہلو لیٹ گیا جس کے بعد کثرت فیوض و برکات اور اسرار و عنایات مجھ پر ظاہر ہوئے اور ندا آئی کہ اس سنت کی رعایت کی برکت سے آخرت میں مجھ کو کسی طرح کا عذاب نہیں دیا جائے گا۔

بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے وبال سے بڑھا ہوا ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بدتر اس گروہ کے لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ لہذا اپنے کلام میں ان کا نام کفار رکھتا ہے۔

"لیغیظ بھم الکفار"

ارکانِ اسلام:

عقائد کے درست ہونے کے بعد شریعت کے اوامر کا بجا لانا اور نواہی سے رک جانا جو عمل سے تعلق رکھتا ہے نہایت ضروری ہے۔

اعمال صالحہ سے مراد اسلام کے پانچ ارکان ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے اگر اسلام کے یہ اصول پنجگانہ کامل طور پر ادا ہو جائیں تو امید ہے کہ نجات و فلاح حاصل ہو جائے گی کیونکہ یہ فی حد ذاتہ اعمال صالحہ ہیں اور تمام برائیوں اور منکرات سے روکنے والے ہیں "بے شک نماز تمام بے حیائیوں اور برے کاموں سے روکتی ہے" اس مطلب پر شاہد ہے اور جب اسلام کے پنجگانہ ارکان کا بجا لانا میسر ہو گیا تو امید ہے کہ شکر بھی ادا ہو گیا اور جب شکر ادا ہو گیا تو عذاب سے نجات مل گئی۔ لقولہ تعالیٰ "اگر تم اللہ کا شکر ادا کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کیوں دے گا" پس ان پنجگانہ ارکان کے بجا لانے میں دل و جان سے کوشش کرنی چاہیے خاص طور پر نماز کے قائم کرنے میں جو دین کا ستون ہے۔

اول اپنے اعتقاد کو اہل سنت و جماعت کے عقائد کے موافق کرنا چاہیے دوسرا فقہ کے مطابق عمل کرنا چاہیے خصوصاً ادائے فرائض میں بڑی کوشش کرنی چاہیے۔ اور حلال و حرمت میں بڑی احتیاط بجا لانی چاہیے اور عبادات نافلہ کو عبادت فرائض کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں ہے اس زمانے کے اکثر لوگ نوافل کے ادا کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو بے اعتبار سمجھتے ہیں۔ روپیہ سب کا سب وقت بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں لیکن زکوٰۃ کے طور پر ایک پیسہ بھی مستحق کو دینا دشوار ہے یہ نہیں جانتے کہ ایک پیسہ زکوٰۃ کے طور پر مصرف شرعیہ میں دینا لاکھوں روپیہ صدقہ نافلہ سے بہتر ہے کیونکہ ادائے زکوٰۃ میں حق تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے اور صدقہ نافلہ میں اکثر ہوائے نفس کی تابعداری ہے۔

زکوٰۃ کے طور پر ایک پیسہ کا صدقہ کرنا جس طرح نفلی طور پر سونے کے پہاڑ صدقہ کرنے سے کئی درجے بہتر ہے اسی طرح اس پیسے کے صدقہ کرنے میں کسی ادب کی رعایت کرنا مثلاً اس کو کسی قریبی محتاج کو دینا بھی اس سے کئی درجے بہتر ہے۔

تلاوت قرآن افضل العبادات ہے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام اشیاء سے زیادہ قریب قرآن مجید ہے۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عبادتوں سے افضل عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہے اور اس کی شفاعت دوسری شفاعتوں سے زیادہ مقبول ہے۔۔۔ وہ نتائج و ثمرات جو قرآن مجید کی تلاوت پر مرتب ہوتے ہیں تفصیل سے باہر ہیں بسا اوقات قرآن مجید اپنے تلاوت کرنے والے کو ایسے درجات تک پہنچا دیتا ہے کہ وہاں بال کے گزرنے کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔

ہر عمل جو شریعت کے مطابق کیا جائے داخل ذکر ہے

اے فرزند! فرصت، صحت اور فراغت کو اللہ کے ذکر میں مشغول کر غنیمت جاننا چاہیے۔ ہمیشہ اپنے دل کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھنا چاہیے جو عمل بھی [illegible] شریعت کے مطابق کیا جائے ذکر میں داخل ہے اگرچہ وہ خرید و فروخت ہو پس تمام حرکات و سکنات میں احکام شرعیہ کی رعایت کرنی چاہیے تاکہ وہ سب کچھ ذکر ہو جائے۔ کیونکہ ذکر سے مراد غفلت کا دور ہونا ہے اور جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کو مدنظر رکھا جائے تو ان اوامر و نواہی کا حکم دینے والے کی یاد کی غفلت سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر پر دوام حاصل ہو جاتا ہے یہ دوام ذکر حضرات خواجگان نقشبندیہ کی یادداشت سے جدا ہے کیونکہ وہ یادداشت صرف باطن تک ہی ہے اور اس دوام ذکر کا اثر ظاہر میں بھی جاری ہے اگرچہ دشوار ہے۔

اکل حلال کی اہمیت و تاکید:

اور نصیحت یہ ہے کہ لقمہ میں احتیاط رکھیں یہ ٹھیک نہیں ہے کہ جو کچھ کہیں سے ملے کھا لے اور حلال و حرام شرعی کا کچھ لحاظ نہ کرے۔ یہ انسان خود مختار نہیں ہے کہ جو کچھ چاہے کرے بلکہ اس کا ایک مولیٰ ہے جس نے اس کو امر و نہی کا مکلف بنایا ہے اور اپنی رضا مندی و نارضامندی کو انبیاء کرام کے ذریعہ ظاہر کر دیا ہے وہ شخص بہت ہی بدبخت ہے جو اپنے آقا کی مرضی کے برخلاف کام کرے اور آقا کی اجازت کے بغیر اس کے ملک و ملک میں تصرف کرے۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ مجازی آقا کی رضامندی کی رعایت کرتے ہیں اور اس بارے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے اور مولائے حقیقی نے تاکید اور مبالغہ کے ساتھ ناپسندیدہ کاموں

منع کر دیا ہے اور پیغمبر خدا نے ہے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرنے غور کرنا چاہیے کہ یہ اسلام ہے یا کفر!۔

شریعت: کل قیامت کے روز شریعت کی بابت

پوچھا ہو گی جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجا لانے پر منحصر ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو کہ تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں شرائع کی طرف دعوت دی ہے اور نجات کا مدار اسی کو مقرر کیا ہے ان بزرگوں کی بعثت کا مقصد شریعت کی تبلیغ ہے پس سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کو زندہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ خاص طور پر ایسے زمانے میں جبکہ اسلام کے نشان مٹ گئے ہوں کروڑوں روپیہ خدا کے راستہ میں خرچ کرنا شرعی مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس فعل میں انبیاء کی اقتداء ہے جو بزرگ ترین مخلوقات ہیں نجات کا طریقہ اور عذاب الٰہی سے خلاصی کا راستہ اعتقادی اور عملی طور پر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے۔ استاد اور پیر اس لئے پکڑتے ہیں کہ وہ شریعت کی طرف رہنمائی کریں اور ان کی برکت سے شریعت کے اعتقاد و عمل میں آسانی اور سہولت حاصل ہو جائے نہ یہ کہ مرید جو چاہیں کریں اور جو کچھ چاہیں کھائیں اور پیر ان کے لئے شفاعت کر جائیں گے اور عذاب سے بچا لیں گے۔ کیونکہ ایسا خیال کرنا ایک نکمی اور بیکار آرزو ہے۔ وہاں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہ کر سکے گا۔ اور عمل پسندیدہ نہ ہوں گے تو کوئی اس کی شفاعت نہیں کرے گا اور عمل پسندیدہ اس وقت ہوں گے جبکہ شریعت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ شریعت کی متابعت کے ہوتے ہوئے اگر کوئی لغزش اور قصور اس سے سرزد ہو گا تو اس کا تدارک شفاعت سے ہو سکے گا۔

فرصت زندگی غنیمت ہے:۔

فرصت کو غنیمت اور وقت کو عزیز سمجھنا چاہیے رسوم و عادات سے کچھ نہیں بنتا۔ حیلے بہانے تلاش کرنے سے سوائے خسارہ و مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ہے ھلک المسوفون یعنی سوف سے یہ کام کروں گا کہنے والے ہلاک ہو گئے موجودہ عمر کو موہوم کام میں صرف کرنا اور موہوم کو موجودہ کے لئے نگاہ رکھنا بہت برا ہے چاہیے نقد وقت کو نہایت ضروری کام میں صرف کریں اور ادھار کو بے فائدہ آرائشوں کے لئے جمع کریں۔ محض گفتگو سے کچھ فائدہ نہیں ہے وہاں تو قلب کی سلامتی طلب کرتے ہیں۔ اصل مقصد کا فکر کرنا چاہیے اور بے فائدہ کاموں سے پوری طرح منہ پھیرنا چاہیے۔

حرف آخر: اول لازم ہے کہ اہل سنت و جماعت کی صحیح غور و فکر کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں۔

دوم۔ احکام شرعیہ فقہیہ کے مطابق عمل کریں اور سوم صوفیائے کرام کے بلند طریقہ پر سلوک حاصل کریں۔

جس کو ان سب کی توفیق حاصل ہو گئی وہ دونوں جہان میں پورا کامیاب ہو گیا اور جو ان سے محروم رہا اس کو پورا خسارہ حاصل ہوا۔

"المرشد"
کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے
ضروری ہے
کیونکہ اس میں مذہبی، ادبی مضامین
ہوتے ہیں

پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحب

ایم اے

ام المومنین حضرت جویریہؓ

یہ دنیا ایک رزمگاہ ہے اور کوئی اچانک حادثہ کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ وصف اس کی فطرت میں داخل ہے۔ خالق کائنات نے جب پہلے انسان کو اس کرۂ ارض پر رہنے بسنے کے لئے بھیجا تو یہ حقیقت پہلے روز ہی واضح کر دی کہ تمہیں ایک وسیع میدان جنگ میں اتارا جا رہا ہے اور تمہارے مخفی جوہر کھلنے کا موزوں مقام وہی ہے "وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" اور تم سب یہاں سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے یعنی وہاں حق و باطل کی قوتیں ہمیشہ برسرِ پیکار رہیں گی۔ اس صبر آزما اعلان کے ساتھ ایک تسلی بھی دی گئی کہ اس جنگ میں کامیاب ہونے کی ایک شرط ہے وہ یہ ہے کہ جنگ کا نقشہ، سامانِ حرب، آلاتِ جنگ اور جنگ کا سلیقہ ([illegible]) ہم بتائیں گے تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی اولاد کو یہ بتا دو کہ "فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" پھر جو میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے کوئی خوف اور رنج نہ ہوگا۔

یعنی میری ہدایات کے مطابق اگر باطل قوتوں کا مقابلہ کرو گے تو میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں نہ تمہیں ماضی کا کوئی غم ہوگا نہ مستقبل کا خوف اور رہا حال تو وہ خود تمہارے سامنے ہوگا۔

پہلے انسان کی اولاد پھیلنے لگی تو باطل کی قوتیں نت نئے اسلحے کے ساتھ میدان میں آنے لگیں۔ اولادِ آدم بھی عہدِ وفا کو بھلا کر اپنی تدبیروں پر بھروسہ کرنے لگی نتیجہ ظاہر ہے کہ اسے بار بار شکست ہوئی مگر ہر شکست کے بعد پھر سے عہد کی یاد دہانی کرائی جاتی رہی اور ہر موقع پر اس کی مناسبت سے ہدایات بھی نئی جاری ہوتی رہیں۔ گویا بازی وہی پرانی اور پہلے روز کی تھی مگر تدبیریں اور جنگی چالیں بدلتی رہیں اور فتح و شکست کا یہ سلسلہ اطاعت اور غفلت کی بنا پر جاری رہا۔ انسانیت ذہنی اور عقلی اعتبار سے ترقی کرتی رہی تا آنکہ وہ وقت آیا جب انسانیت سنِ بلوغ کو پہنچ گئی تمدن کی ترقی وہ رخ اختیار کرنے لگی کہ فاصلے سمٹنے لگے اور وقت کی رفتار نے وہ سرعت اختیار کی کہ صدیوں کا عرصہ دنوں اور لمحوں میں گزرتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ باطل نے اس صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا مگر حق کے نمائندے ایسے خواب غفلت میں محو تھے گویا ان کا وجود ہی نہیں تھا لیکن رحمتِ حق جوش میں آئی اور ایک ایسی شخصیت کو حق کا نمائندہ بنا کر مبعوث فرمایا جسے باطل کے ہر داؤ سے نہ صرف آگاہ کر دیا بلکہ ہر تدبیر کا توڑ بھی بتا دیا۔ یہ اتنی بڑی نعمت تھی کہ بڑے اہتمام سے ان الفاظ میں اعلان کیا گیا۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ

أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۔

"درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے ان کی زندگی کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و دانائی کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے تھے۔"

اس اعلان کے پیش نظر اس نامی ہستی کی عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر ماضی کے تجربہ کی بنا پر انسانیت کو یہ اندیشہ ضرور ہو سکتا تھا کہ اس تصادم کی عمر جانے کتنی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ کتنے عرصے کے بعد حق کی قوتیں پھر سے میدان خالی چھوڑ جائیں تو خالق انسان نے اس بارے میں یوں تسلی دی کہ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

"اعلان کر دیجیے کہ اے بنی نوع انسان میں تم سب کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

یعنی اب یہ جنگ ختم ہونے کو نہیں آئے گی بلکہ قیامت تک جاری رہے گی مگر جنگ کے نام کے ساتھ جن ہولناکیوں کا تصور وابستہ ہے اس کے ازالہ کے لیے یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ۔ یعنی یہ جنگ یوں لڑی جائے گی کہ اس کی بنیاد رحمت عامہ پر ہو گی۔ اس رحمت کی صورت حالات کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو سکتی ہے بعض حالات میں وہ جراحی کی صورت اختیار کرے گی اور کبھی مرہم بن جائے گا۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ جنگ انفرادی ہو یا اجتماعی شخصی ہو یا قومی سیاسی ہو یا معاشی اس کے لازماً دو محاذ ہوتے ہیں ایک داخلی دوسرا خارجی۔ ایک کا تعلق دفاع اور توسیع سے ہے دوسرے کا تعلق تعمیر اور ترقی سے جب تک دونوں محاذوں کے متعلق صحیح منصوبہ بندی نہ ہو اور دونوں پہلوؤں پر مناسب توجہ نہ دی جائے تعمیر و ترقی تو کجا بقا بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

اس مسلسل جنگ اور اس کی منصوبہ بندی کی حقیقت سمجھنے کے لیے اس کے قائد اور اس کی سپاہ کا ذرا تفصیلی جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

قائد کی عظمت: (۱) یہ منصب کوئی اندھی بانٹ نہیں بلکہ اعطائے منصب کے ساتھ ہی اس کی اہلیت بھی خود رکھی اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ

"اللہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کا منصب کسے سونپتا ہے"

۲۔ اس کی تعلیم کا کام کسی انسان کے سپرد نہیں کیا بلکہ یقین دلایا۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ !

"ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہیں بھولے گا۔"

۳۔ تربیت کا کام بھی اپنے ذمے لیا لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ

"نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو۔"

(ب) لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا

"اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کرو اور نہ زمین میں اکڑ کر چل"

(ج) لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ

"اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے"

۴۔ اس کی حفاظت کا کام اپنے ذمہ لیا۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا"

(۵) اسے خواہشات سے مغلوب نہیں ہونے دیا بلکہ خواہشات کو اس کے ایسے تابع بنا دیا کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى

"وہ اپنی خواہش سے بولتا بھی نہیں"

(۶) اس کی رائے اور اس کی سوچ کو ایسا معیاری بنایا کہ اپنی کتاب کی تبیین اور تفہیم کا مدار ہی اس کی رائے کو قرار دے دیا۔
إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ "ہم بیشک اتاری ہم نے تیری طرف کتاب سچی کہ تو فیصلہ کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھا دے تجھ کو اللہ"
اور إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ "اور ہم نے آپ پر یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کر دیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے۔"

خالق انسان جانتا تھا کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو کتاب ہدایت کے الفاظ سے معانی اخذ نہیں کریں گے بلکہ الفاظ قرآنی میں اپنے من مانے معنی داخل کرنے کی کوشش کریں گے اور معلم کتاب سے کتاب کا مفہوم سمجھنے کی بجائے اپنی عقل نارسا سے یا منصف نا جاکتوں سے معنی پوچھ لیں گے۔

(۷) اسے پوری انسانیت کے لیے مجسم نمونۂ عمل بنایا
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
"رسول اللہ ایک عمدہ نمونہ تمہارے لئے موجود ہے"

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے اسے رحمۃ للعالمین قرار دیا مگر اسوۃ للعالمین نہیں فرمایا بلکہ اسوہ کے ساتھ دو شرطیں لگا دیں اول مَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ اور دوم وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا یعنی اس کے لئے جو اللہ سے اور آخرت سے ڈرتا ہو اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔

ایک شرط کا تعلق عقیدہ سے ہے دوسری کا تعلق عمل سے ہے اور تمام عقائد کی روح سمٹ کر عقیدہ آخرت میں آ جاتی ہے اور تمام اعمال صالحہ کا مرکز و محور اور روح ذکر الٰہی ہے اور وہ بھی کثیر تو معلوم ہوا۔ اسوۂ حسنہ سے بہرہ مند ہونے کا مدار ان دو شرطوں پر ہے۔

(۸) اس کی عظمت، جلالت شان اور ہیبت کا یہ معیار قائم فرمایا کہ لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ
"اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو"

(۹) جہاں تک پوری انسانیت کا اس کے ساتھ تعلق ہے اس کی حیثیت یہ متعین فرمائی کہ وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ
"اور جس نے رسول کی اطاعت کی سو اس نے اللہ کی اطاعت کی"

(۱۰) دنیا کا ہر قائد صرف اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے مگر خالق کائنات نے محسن انسانیت اور رحمت کائنات کی صرف اطاعت کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اتباع اور محبت کا بھی مطالبہ کیا ہے اور اطاعت بلا محبت کو قابل قبول بھی قرار نہیں دیا۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ۔

"اے نبی کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے گھر جو تمہیں پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے"

بلکہ اس محبت کے اثرات کو یہاں تک وسیع کر دیا کہ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ الخ

ہیں صلاان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں

اس عظیم قائد کے یہ چند اوصاف مشتے نمونہ از خروارے بھی کہنا حقیقت کی صحیح ترجمانی نہیں کہلائی جا سکتی۔ بہرکیف عقل عامہ کا فیصلہ ہے کہ ایسے برگزیدہ قائد کو جو سپاہ دی گئی اس کے انتخاب کے لئے یقیناً کوئی ایسا ہی اہتمام کیا ہو گا۔ اس لئے کچھ اس کا بیان بھی کر دیا جائے۔

ا۔ بیرونی محاذ مرد اور عورت کی خلقت جسمانی ساخت ذہنی صلاحیتیں اس امر کی مقتضی ہیں کہ دونوں کا دائرہ کار الگ ہونا چاہیے تاکہ ان کے فطری جوہر مناسب ماحول میں پورے طور پر بروئے کار آسکیں چنانچہ اس فطری اختلاف طبائع کی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ خارجی محاذ کے لئے مرد ہی موزوں ہیں اور صحابہ کرام کے متعلق یہ دیکھنا پڑے گا کہ کیا قدرت نے اس بارے میں کوئی خاص اہتمام فرمایا ہے تو اس سلسلہ میں قرآن حکیم ہمیں چند پہلوؤں پر رہنمائی کرتا ہے۔

(ا) یہ کلیہ بتایا کہ جب ہم پہلے قائدین کے لیے یہ اہتمام کرتے رہے کہ آزمائش اور امتحان کرتے تم انہیں تو جو دی گئی تو اس آخری زمانہ کے لئے جو خاتم النبیین بھی ہے اور رحمۃ للعلمین بھی ہے ہمارا امتحان لازماً ہو گا اور کڑا ہو گا۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۔ بعض کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوٹ جائیں گے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے۔"

(ب) صحابہ کرام کو جس قسم کے امتحانوں میں ڈالا گیا انہیں بنیادی طور پر دو قسموں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ زیست اور سامانِ زیست ان لوگوں نے ان دونوں چیزوں کی قربانی اس انداز سے پیش کی کہ اللہ تعالے نے اعلان فرما دیا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔ "اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور بسایا یہی لوگ ہیں جو سچے مومن ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور باعزت روزی۔"

دنیا کی یہ واحد جماعت ہے جس کی زندگی کی بحیثیت شیئے اسی دنیا میں ان کی زندگی میں دیکھ کر فیصلہ سنا دیا گیا۔ حالانکہ باقی ساری مخلوق کو ان اعمال تک فیصلہ کا انتظار کرنا پڑے گا۔ پھر ایک اور اعلان فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اللہ کے ہاں ان کا درجہ سب سے بلند ہے اور کامیاب تو وہی ہیں۔"

اعظم کا لفظ تفضیل کل کے لیے ہے [illegible] ہے یعنی ان سے اونچا درجہ امت میں کسی کا نہیں۔

پھر اعلان فرمایا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۔

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ سخت ہیں کافروں کے مقابلے میں اور مہربان ہیں آپس میں تو انہیں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں ان کے آثار سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں اور یہ ان کے اوصاف تورات میں ہیں اور انجیل میں بھی ہیں۔"

ان اوصاف پر خوب غور کیجئے و معیّن تابیئے کہ اعتقادی یا عملی زندگی کا کوئی ایسا پہلو ہے جسے رب العلمین نے معیاری قرار نہ دیا ہو۔

ان اعلانات کے باوجود ایک بات کھٹکتی ہے کہ انسان بڑا فنکار ہے وہ طرح طرح کی ایکٹنگ کر سکتا ہے ممکن ہے ان لوگوں نے یہ سب کچھ (معاذاللہ) ایکٹنگ کے طور پر کیا ہو۔ یہ بات ان لوگوں کو زیادہ کھٹکتی ہے جن کی زندگی کا تانا بانا از سر تا پا ایکٹنگ ہی ایکٹنگ ہے۔ اعتقادی اور عملی زندگی بالکل ڈرامہ اور ناٹک معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا علم وسیع ہے اپنی اس مخلوق کو پہلے ہی جانتا تھا لہٰذا محسنِ انسانیت کے ان شاگردوں کا یہ پہلو بھی واضح کر دیا کہ میں نے تو ان کے دلوں کا امتحان کر لیا ہے۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا

"اور اللہ نے انہیں تقویٰ کے وصف پر جمائے رکھا اور وہ سب سے زیادہ اس کے مستحق بھی ہیں اور اہل بھی اور اللہ تو ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔"

تقویٰ کا محل قلب ہے اور ان کے قلوب کے متعلق لفظ احق استعمال فرمایا کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے قلوب سب سے زیادہ تقویٰ کے حقدار ہیں۔ اور اسی قابل ہیں تقویٰ کا وصف سجتا ہے انہیں کو ہے۔

بلکہ اس سے ترقی کر کے سلبی اور ایجابی دونوں پہلوؤں کا تذکرہ فرما دیا۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً

"لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دی اور اسے تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تمہیں نفرت دیدی یہی لوگ تو راہِ راست پر ہیں اللہ کے فضل و انعام سے۔"

ان ارشاداتِ ربانی سے ان حضرات کا ہر پہلو سے ذاتی سیرت اور شخصی کمال کا ثبوت ملتا ہے مگر قدرت نے ان کو فقط خود کامل نہیں بنایا بلکہ انہیں ہر کمال کا معیار اور سرچشمہ قرار دیا۔ جہاں تک ان کے ایمان کا تعلق ہے اس کے متعلق یہ فیصلہ سنا دیا کہ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔

"یعنی اے میرے محبوب کے محبوبو! تمہارے بعد آنے والے لوگ اگر اس طرح ایمان لائیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت یافتہ قرار پائیں گے تمہارے ایمان سے مختلف قسم کا ایمان ہمارے ہاں قابلِ قبول ہی نہیں۔"

جہاں تک عملی زندگی کا تعلق ہے ساری محنت کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے تو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کے لئے اعلان کر دیا کہ میری رضا کا مدار ان لوگوں کی اتباع پر ہے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

"جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں) سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے۔"

فیصلہ کر دیا کہ ان لوگوں کی اتباع اور سچے دل سے اتباع کئے بغیر میری رضا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں ان کی اتباع سے وہ شخص آزاد ہے جو اللہ سے تعلق توڑ چکا ہے۔ ورنہ ان کی اتباع کے بغیر مومن کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

خود محسنِ انسانیت نے اس کی تفسیر میں کچھ یہ اعلان فرما دیا کہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ

خارجی محاذ پر اللہ تعالیٰ نے جب چن چن کے ایسے افراد اس محسنِ انسانیت کے گرد جمع کئے تو اس سے لازماً یہ تاثر ملتا ہے کہ

خالص شخاف بھی اس نے ضرور کچھ اسی طرح کا اہتمام کیا ہوگا۔ اس پہلو پر نگاہ کی جائے تو حضور اکرمؐ کی تعدد ازدواج کی حکمت کا نشان ملتا ہے کہ حضور اکرمؐ کا گھر مرکز ہدایت تھا۔ زندگی کے وہ مسائل جن کا تعلق خالص ازدواجی اور گھریلو زندگی سے ہے آپ ایسے نازک اور قابل اخفا ہوتے ہیں کہ نہ ہر شخص آزادی سے زبان پر لا سکتا ہے نہ ہر محفل میں پوچھے جا سکتے ہیں۔ ان کے لئے خاص ماحول اور موزوں افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیوی سے بڑھ کر خاوند کا راز دار اور کوئی نہیں ہوتا۔ اس لئے جہاں خاوند ایسے مسائل کھل کر بیوی سے بیان کر سکتا ہے وہاں بیوی بھی بڑی آزادی اور خوش اسلوبی سے خاوند سے پوچھ سکتی ہے پھر ایسے مسائل جن کا تعلق نسواں سے ہو وہ عورتیں عورتوں سے تو پوچھ سکتی ہیں مگر غیر مرد سے بلکہ اپنے رشتہ دار مردوں سے بھی پوچھنے میں فطری جھجک محسوس کرتی ہیں لہٰذا ضروری تھا کہ دین اسلام جو کامل الادیان ہے اور جو اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے اعلان سے وہ حیثیت اختیار کر گیا ہے کہ اب زندگی کے کسی پہلو میں انسان کو آسمانی رہنمائی ملنے کا موقع نہیں رہا۔ اس کے اس پہلو کی تکمیل اور ترویج کا مناسب انتظام کیا جاتا چنانچہ اس کام کے لئے امہات المومنین۔ ازواج مطہرات سے بہتر اور کوئی شخصیت نہیں ہو سکتی تھی۔

قدرت نے اس انتخاب کے بعد ان کے امتحان کا پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ چنانچہ ایسا کڑا امتحان لیا گیا کہ جو لوگ عورت کی فطرت اور اس کی نفسیات سے واقف ہیں خوب سمجھتے ہیں کہ اس سے کڑا امتحان اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا"۔

"اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجیئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار کو مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع دنیا دیکر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم مقصود رکھتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے"۔

یعنی دو میں سے ایک پہلو اختیار کرنا ضروری ہے اول دنیوی زندگی اس کی ترقی، آسائشیں اور بہاریں اگر یہ پہلو اختیار کرنا چاہتی ہو تو تمہیں آزادی ہے مگر رسولؐ سے تعلق کٹ جائے گا۔ وہ تمہیں نہایت شریفانہ طور پر رخصت کر دے گا اور تم اس محدود ماحول سے نکل کر وسیع دنیا میں آزادی سے زندگی بسر کر سکو گی۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی اور آخرت کی راحتیں چاہتی ہو تو میں نے تمہارے لئے بہت بڑا انعام تیار کر رکھا ہے مگر اس صورت میں دنیا کی محبت اور دنیا کا خیال چھوڑنا پڑے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ امہات المومنین نے کونسا پہلو اختیار کیا پہلا سوال یہ ہے کہ تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھو اور مورخین سے پوچھو کیا حضور اکرمؐ نے کسی بیوی کو اپنے سے علیحدہ کر کے گھر سے رخصت کیا!

اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو ثابت ہو گیا کہ ازواج مطہرات نے دنیوی راحتوں اور لذتوں کو کلاًّ تج دیا ایک کو چھوڑنا دوسرے کو اختیار کرنے کو مستلزم ہے کیونکہ دو میں سے ایک صورت اختیار کرنے کی آزادی دی گئی تھی کوئی تیسری صورت سرے سے رکھی ہی نہیں گئی۔ لہٰذا یہ بھی ثابت ہوا کہ ازواج مطہرات نے اللہ کی رضا رسولؐ کی خوشنودی اور آخرت کی راحتیں سمیٹنے کے پہلو کو ہی اختیار کیا۔

اس طرز امتحان سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ دنیا کی محبت جس دل میں گھر کر گئی ہو وہاں اللہ و رسول کی محبت و آخرت کی فکر داخل نہیں ہو سکتی۔ گویا یہ ایسی غلاظت ہے جو شرف انسانیت کے منافی ہے۔

یہ دو امور دراصل دو مختلف طرز حیات ہیں۔ اور روزمرہ عملی زندگی میں ہر قدم پہ پہچانے جا سکتے ہیں کہ کسی کی کوئی حرکت کس طرز زندگی کی نمائندگی اور نشان دہی کر رہی ہے۔ لہٰذا ان دو طرز حیات کے مظاہر کے طور پر دو پہلو بیان کر دیئے گئے۔ پہلی طرز زندگی کا مظہر یہ ہو سکتا تھا کہ
مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۔

لیکن جب امہات المومنین نے اس طرز زندگی سے دستبرداری کا اعلان کر دیا تو اس کا سوال ہی اٹھ گیا۔
دوسری طرز زندگی کا مظہر وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا ہے۔ "اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار رہے گی اور عمل صالح کرتی رہے گی تو اس کا اجر دوہرا دیں گے اور ہم نے اس کے لیے ایک عمدہ نعمت تیار کر رکھی ہے۔"

اور ظاہر ہے کہ جب ازواج مطہرات نے دوسرا پہلو اختیار کیا یعنی اللہ اور رسول کی رضامندی اور فکر آخرت تو ان کی زندگی کی ہر حرکت اسی کا اظہار ہونے لگا اور خوشخبری سنا دی گئی کہ
نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا
اب ان کی ذمہ داریوں کا تذکرہ ہوا کہ
وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔
"اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور جاہلیت قدیمہ کے مطابق اپنے آپ کو دکھاتی مت پھرو اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔"

یعنی تمہارے گھر ہدایت کے سرچشمے ہیں۔ طبقہ نسواں کی دینی پیاس یہیں سے بجھے گی اور طبقہ ذکور کو بھی دینی رہنمائی کی ضرورت ہوئی تو قرآن کے بتلائے ہوئے سلیقے کے مطابق یہیں سے رہنمائی حاصل کر سکیں گے لہٰذا تم اپنے گھروں میں جمی رہو۔ اور کرنے کے دو کام ہیں تکمیل ذات اور تعمیر۔ تکمیل ذات کے لیے جسم و جسمانی اعمال اور مالی قربانی دونوں کی ضرورت ہے ان ہر دو قربانیوں کے لیے سہل کے طور پر اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کی جامع ترکیب اور اصطلاحات استعمال کی گئیں۔ اور دونوں پہلوؤں کی تکمیل کے لیے جامع اصطلاح اطاعت الٰہی اور اطاعت رسولؐ استعمال کی گئی۔ گویا تمہارا کام اپنے لیے آخرت کی تیاری کرنا اور امت کی آخرت کی بہتری کے لیے ان کی رہنمائی کرنا ہے۔

امہات المومنین نے عمل سے تو یہ ثابت کر دیا کہ انہیں دنیوی زندگی کی محبت یا دنیوی لذتوں اور راحتوں کا سودا قطعاً نہیں مگر اس امر کا امکان تھا کہ عملاً تو وہ دنیا کی محبت سے دستبردار ہو چکی ہوں گی مگر دل کے کسی گوشے میں شاید دنیا سے دلچسپی کی کوئی رمق باقی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔ "اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو یوں پاک کرے جیسا پاک کرنے کا حق ہے۔"

اے نبی کے گھر والو یعنی ازواج مطہرات! جب تم نے عملاً دنیا سے دستبرداری کا ثبوت دے دیا تو ہم اب تمہارے دلوں

میں بھی اس حسین کا خیال تک نہیں رہنے دیں گے اور تمہارے دلوں کو پاک کر دیں گے کہ تمہارے ظاہر یا باطن میں دنیا سے لگن کا کوئی شائبہ تک نہ رہنے دیں گے۔

یہ بات واضح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرے تو اس ارادہ کے پورے ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا مگر ہو سکتا ہے کہ کوئی ہماری طبیعت یہ کہے کہ ازالہ حسین کا ارادہ کا تو ذکر ہے مگر اس ارادہ کے عمل میں آنے کا کہیں ذکر نہیں تو اس کا ثبوت تاریخ ہی سے پوچھ لیجئے گا الحمدللہ پورا اعتماد ہے۔ کوئی صحیح چھوڑ ضعیف بلکہ موضوع روایت بھی کہیں نہیں ملتی کہ حضور اکرمؐ کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ازواج مطہرات نے حضورؐ کی میراث کے حصول کے لئے کوئی کلمہ بھی زبان پر لایا ہو جس سے ظاہر ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے دنیا کے خیال کا حسین بھی ان کے قلب کی گہرائیوں سے کھرچ دیا تھا اور ان کو یوں پاک کیا جیسا کہ تطہیر کا حق ہے دنیا کی محبت کے حسین ہونے کا نشان اس آیت سے ملتا ہے کہ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

دنیا و ما فیہا کی محبت کا اثر یہ ہے اعمال حبط کیا کرایا اکارت ٹھکانہ جہنم اور سب سے بڑھ کر یہ رحمۃ للعالمین کی معیت سے محرومی تو اس سے بڑھ کر حسین کیا ہو سکتا ہے۔

ازواج مطہرات امہات المومنین کے حالات بیان کرنے سے پہلے اس پس منظر کا بیان کرنا ضروری تھا لہٰذا سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔

امہات المومنین کی سیرتوں کا مطالعہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے ایک باغ کھلا ہے رنگارنگ کے پھول کھلے ہیں پھولوں کے رنگ جدا مہک جدا منظر جدا۔ مگر اس اختلاف کے باوجود ایک ان دیکھا اور غیر مرئی اتحاد جھلکتا ہے۔ ام المومنین حضرت جویریہؓ کا تاریخی تعارف اتنا کافی ہے کہ ۵ ھ میں قبیلہ بنی خزاعہ کو یہود یا قریش کی شہ پر یہ سودا سمایا کہ مدینہ پر چڑھائی کی جائے حضور اکرمؐ کا محکمہ خبر رسانی بڑا مستعد تھا اطلاع مل گئی۔ آپؐ نے چڑھائی کر دی مریسیع کے مقام پر تصادم ہوا مخالفین کے ۱۰ آدمی مارے گئے اور کوئی چھ سو کے قریب جنگی قیدی بنائے گئے جو اس وقت کے بین الاقوامی قانون کے مطابق صرف جنگی قیدی نہیں تھے بلکہ لونڈی غلام بنائے گئے ان میں قبیلہ کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھی جو اس وقت برہ تھی لیکن بعد میں یہی برہ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے نام سے پکاری جانے لگیں جب غلاموں کی تقسیم ہوئی تو یہ حضرت ثابتؓ بن قیس کے حصے میں آئیں انہیں ایک وقت میں دو صدمے ہوئے اول جنگی قیدی یعنی لونڈی بننا پھر سردار قبیلہ کی بیٹی ہو کر معاشرہ کے ایک عام فرد کی لونڈی بننا۔ انہوں نے ان دو مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ترتیب یہ سوچی کہ پہلے حضرت ثابت کی غلامی سے آزادی حاصل کی جائے چنانچہ انہیں مکاتبت پر آمادہ کر لیا اور ۹ اوقیہ سونا مکاتبت کی قیمت قرار پایا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ قیمت کہاں سے حاصل کی جائے سردار کی بیٹی تھی عزت نفس کا حجاب بھی تھا مگر نظر جو پڑی تو قبیلے کے سردار پر نہیں بلکہ محسن انسانیت پر کہ عزت نفس کو اس دربار میں سائل بن کر قربان کر دینا کوئی گھاٹے کا سودا نہیں بہر حال آپ کو حضرت ثابت نے آزاد کر دیا اور اپنی خوشی سے حضورؐ کے عقد میں آکر حرم نبوی میں داخل ہو گئیں

وقرن فی بیوتکن الخ کے حکم کی تعمیل میں امہات المومنین میں سے کوئی کسی سے پیچھے نہیں تھی مگر ہر ایک کا رنگ جدا تھا

حضرت جویریہؓ کی خصوصیات:

۱۔ آپ کا نام حضورؐ نے خود رکھا یعنی برّہ کی جگہ جویریہؓ تجویز فرمایا اور انہوں نے اس تبدیلی کو خوشی سے قبول کیا حالانکہ قبائلی عصبیت اور نسلی و قومی وقار کا خیال ایسا کرنے میں رکاوٹ بن سکتا تھا ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اس معاملے میں ایسی وضعداری برتتے ہیں کہ بالکل بے معنی نام بھی بدلنا گوارا نہیں کرتے خواہ وہ معاشرے میں یا حکومت میں کسی بڑے سے بڑے عہدے پر بھی پہنچ جائیں۔ اور اگر ماں باپ کے رکھے ہوئے نام کو کافی نہ سمجھتے ہوں تو اس کے ساتھ لاحقہ لگا لیتے ہیں مگر پرانا نام قائم رکھتے ہیں۔

۲۔ آپ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے آپ کے شوقِ عبادت کی تعریف فرمائی جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ ایک روز حضور اکرمؐ ان کے گھر سے صبح کے وقت نماز کے لئے تشریف لے گئے اس وقت وہ مصلے پر مصروفِ عبادت تھیں جب ضحیٰ کے وقت حضور اکرمؐ تشریف لائے تو آپ اسی طرح مصلے پر بیٹھی تھیں حضورؐ نے تعجب سے فرمایا کیا کیا تم اس وقت سے یہاں بیٹھی ہو۔

آپ کی برکات: (۱) آپ کی پہلی برکت یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے ۱۰۰ کے قریب غلام آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہوگئے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضور اکرمؐ نے حضرت جویریہؓ سے نکاح کر لیا تو یہ خبر صحابہ میں پھیل گئی اور صحابہ کے دل میں حضور اکرمؐ کی محبت اور عظمت تھی اس کی نظیر چشمِ فلک نے نہیں دیکھی آپس میں کہنے لگے کہ یہ قبیلہ تو حضور اکرمؐ کا رشتہ دار ہوگیا اور حضورؐ کے رشتہ دار غلام بنائے جائیں گے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے لہٰذا صحابہ نے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا اس اقدام میں اس نکاح کی حکمت بھی عیاں ہوتی ہے اسی بنا پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا فَمَا رَأَيْنَا امْرَأَةً أَعْظَمَ بَرَكَةً عَلَى قَوْمِهَا مِنْهَا یعنی ہم کسی ایسی عورت کو نہیں جانتے جو اپنی قوم کے لئے جویریہؓ سے بڑھ کر برکت والی ہو۔

۲۔ آپ کی دوسری برکت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شوقِ عبادت دیکھ کر ان کو ان کی وساطت سے امت کو ایسے کلمات بتائے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں کئی نفلی عبادتوں سے بڑھ کر مقبولیت کا درجہ رکھتے ہیں وہ کلمات یہ ہیں سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ

۳۔ آپ کی تیسری برکت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے ان کی وجہ سے یہ وضاحت فرمائی کہ صرف جمعے کے دن کا روزہ رکھنا حضورؐ کو پسند نہیں اس کے ساتھ ایک دن آگے پیچھے کا روزہ رکھنا چاہیے۔

۴۔ آپ کی چوتھی برکت یہ ہے کہ آپ کی مرویات کی تعداد سات ہے جن میں سے دو بخاری میں ۲ مسلم میں اور ۳ دیگر کتبِ حدیث میں ہیں یہ مرویات حضور اکرمؐ کے ارشادات ہیں حضورؐ کا ایک ارشاد سینکڑوں نفلوں پر بھاری ہے کیونکہ حضورؐ کے ہر ارشاد میں آخرت کے سنورنے کی بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی صورت ہوتی ہے۔

امہات المومنینؓ کی فضیلت:۔

صحابہ کرامؓ میں فضیلت کی وہ ترتیب جو قرآن کریم میں چند مقامات پر بیان ہوئی ہے اس میں اجماعی فضیلت ہے

کسی کو انکار نہیں مگر افراد کی فضیلت میں آراء مختلف ہیں۔ ابن حزم نے الملل والنحل میں یہ بات تفصیل سے ثابت کی ہے کہ امہات المومنین ؓ کا درجہ تمام صحابہ سے افضل ہے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دیکھا جاتا ہے اس کے ہاں کسی کی کتنی قدر ہے جو علیم بذات الصدور ہے ہمارے لیے تو سب آسمان ہدایت کے ستارے ہیں۔ ام المومنین کی وفات ۶۵ سال کی عمر میں ۵۰ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں

اللّٰھم صل علیٰ محمد النبی الامی وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وبارک وسلم

غزل

ذرا سنبھلے ہوئے او حسنِ زیبا دیکھنے والے
تماشہ خود نہ بن جانا تماشہ دیکھنے والے

یہ پردے کی جھلک تھی جب سے احساسِ نظر گم ہے
ابھی جلوہ کہاں دیکھا ہے جلوہ دیکھنے والے

بس آنکھیں بند کیں ہم نے کہ بزمِ یار میں پہنچے
تماشہ دیکھتے ہیں یوں تماشہ دیکھنے والے

کسی نے طور پر دیکھا کسی نے کوہ امین پر
نگاہِ یار نے دیکھے ہیں کیا کیا دیکھنے والے

ہمیں سنا ہے راہِ عشق میں ان سے بھی کچھ پہلے
یہ کہتے ہیں ترا نقشِ کفِ پا دیکھنے والے

یہ سنتے ہیں کہ بعد پرسشِ اعمال محشر میں
تجھے دیکھیں گے اے حسنِ خود آرا دیکھنے والے

جبینِ شوق میں رکھے ہے اب سجدے نہیں رکتے
یہ اک حسنِ طلب ہے اے تماشہ دیکھنے والے

کہیں وعقیدہ آئے حسن کی معصوم فطرت پر
تماشے کی حدوں آئے تماشہ دیکھنے والے

نسیمِ خستہ دل سے حسن کی شوخی یہ کہتی ہے
کہاں تک ہوش میں آخر رہے گا دیکھنے والے

نسیم شاہجہان پوری
ڈیرہ اسمٰعیل خان